

معمولاتِ اہلسنت پر مبنی مایہ ناز کتاب

توسل واستعانت اور
ردِّ وہابیت

شیخ الاسلام حضرت سید احمد بن زینی دحلان مکی

۱۲۳۱ھ — ۱۳۰۴ھ



مولانا محمد حبیب الرحمٰن قادری بدایونی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	الدرر السنية فی الرد علی الوهابية المعروف ''توسل واستعانت اوررڈوھابیت''
مصنف	شیخ الاسلام حضرت سید احمد بن زینی دحلان مکی
مترجم	مولانا محمد حبیب الرحمٰن قادری بدایونی
تعداد	۱۰۰۰
صفحات	۷۲
سن اشاعت	ربیع الاول ۱۴۳۲ھ بمطابق فروری ۲۰۱۱ء
قیمت	70/- روپے
ناشر	مکتبہ برکات المدینہ، جامع مسجد بہار شریعت، کراچی فون: 0213-4219324

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، انفال سینٹر، اردو بازار، کراچی اور لاہور۔ فون: 32212011

مکتبہ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی، کراچی۔ فون: 34926110

مکتبہ قادریہ، برائٹ کارنر، نزد چاندنی چوک، کراچی۔ فون: 34944672

جیلانی پبلشرز، فیضان مدینہ، کراچی۔ فون: 34911580

مکتبہ رضویہ، گاڑی کھاتہ، آرام باغ، کراچی۔ فون: 32627897

شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7246006

زاویہ پبلشرز، دربار مارکیٹ، لاہور۔ فون: 7248657

مکتبہ جمال کرم، دربار مارکیٹ، لاہور۔ فون: 7324948

مکتبہ اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ، لاہور

مکتبہ نوریہ رضویہ، دربار مارکیٹ، لاہور

پروگریسو بکس، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7352795

فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7224899

مکتبہ مہریہ کاظمیہ، نیوملتان۔ فون: 061-6560699

فہرست مشمولات

☆☆☆

ابتدائیہ

شیخ الاسلام سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں ہے۔ محدث، فقیہ، قاضی، مصنف اور مؤرخ کی حیثیت سے آپ علمائے حرمین شریفین کے درمیان ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۲۳۱ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی، حرمین شریفین کے دیگر شیوخ کے علاوہ شیخ عبداللہ سراج مکی اور شیخ محمد ظاہر وتری سے استفادہ کیا۔

محرم ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ مؤلفات کا ایک ذخیرہ آپ کی یادگار ہے، جس میں تاریخ الدول الاسلامیہ مشہور ہے۔ دیگر تصانیف میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) علم نحو میں الازهار الزينية فی شرح الالفية للسيوطی (۲) علم قرأت میں منهل العطشان علی فتح الرحمن (۳) علم کلام وعقائد میں فتح الجواد المنان شرح العقيدة المسماة بفيض الرحمن (۴) سیرت میں السيرة النبوية والآثار المحمدية (۵) تصوف وسلوک میں تنبيه الغافلين مختصر منهاج العابدين (۶) فقہ میں النصر فی احكام صلاة العصر (۷) اور رد وہابیہ میں زیر نظر کتاب الدرر السنية فی الرد علی الوهابية وغیرہ۔

تحریک وہابیت کے صحیح خدوخال ظاہر کرنے کے سلسلہ میں دو نام خاص طور سے لیے جاتے ہیں ایک سیف اللہ المسلول مولانا فضل رسول بدایونی کا اور دوسرا شیخ احمد زینی دحلان مکی کا، ان دونوں حضرات نے اپنی تصانیف کے ذریعہ عالم اسلام کو شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی جماعت، ان کے حقیقی عقائد ونظریات اور نجد وحجاز میں تحفظ توحید کے نام پر برپا کی جانے والی اس تحریک کے مظالم اور زیادتیوں سے واقف کرانے میں سعی بلیغ کی۔ اس سلسلہ میں اول الذکر کی کتاب سیف الجبار (اُردو) اور شیخ دحلان کی زیر نظر کتاب الدرر السنية ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ان دونوں حضرات

کی کوششوں سے عالم اسلام نے جو اثر قبول کیا اس کا اندازہ جماعت اسلامی کے سرگرم رکن اور عربی زبان وادب کے معروف اسکالر مولانا مسعود عالم ندوی صاحب کی اس عبارت سے لگایا جاسکتا ہے، جس میں اگرچہ اظہار حقیقت منفی انداز کیا گیا ہے لیکن پھر بھی ان کی یہ عبارت تردید تحریک وہابیت کے سلسلہ میں ان دونوں حضرات کی خدمات کا پتہ ضرور دیتی ہے، مولانا لکھتے ہیں:

> مکہ معظمہ کے شیخ احمد زینی دحلان اور بدایوں کے مولوی فضل رسول اور ان کے پیروں کی کوشش سے افترا پردازیوں اور بہتان طرازیوں کا ایک انبار لگ گیا، جس سے کم وبیش آج تک جاہل اور عوام متاثر ہیں (۱)

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اگر عرب اور ہندوستان کے ان ''جاہلوں اور عوام'' کی ایک فہرست مرتب کی جائے جو ان حضرات کی ''کوششوں'' سے ''متاثر'' ہو کر وہابیت کے مخالف ہو گئے تھے، تو شاید عالم اسلام کا سواد اعظم اور اس کے اجلۂ علما، فقہا، محدثین، صوفیا اور اولیا سب کے سب جاہل اور عوام قرار پائیں گے۔

الدرر السنیۃ اپنے زمانہ تصنیف سے لے کر اب تک مختلف ممالک سے شائع ہو چکی ہے اور اب بھی ہو رہی ہے، کتاب کی اہمیت اور اردو داں طبقے کو اس سے استفادہ کا موقع فراہم کرنے کے لیے شیخ غلام حسین چشتی وزیرآبادی نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قادری بدایونی سے اس کا اُردو ترجمہ کروایا اور خود زر کثیر خرچ کر کے افادۂ عام کے لیے اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور سے اس کو شائع کروایا، اس ترجمہ پر سنہ طبع درج نہیں ہے۔

الدرر السنیۃ کے اور بھی دو ایک اُردو ترجمے ہماری نظر سے گزر چکے ہیں مگر فی الوقت وہ پیش نظر نہیں ہیں۔

مترجم کتاب مولانا محمد حبیب الرحمٰن قادری بدایونی ابن جناب وزیر الدین بدایونی بدایوں میں پیدا ہوئے، از اول تا آخر مکمل تعلیم مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف میں ہوئی۔ مدرسہ قادریہ کے دیگر اساتذہ کے علاوہ خصوصی طور پر حضرت شاہ مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر قادری بدایونی سے استفادہ کیا، ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں سند فراغت حاصل کی اور مدرسہ قادریہ میں ہی خدمت درس و

۱۔ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک: مسعود عالم ندوی، ص: ۱۴، ۱۵، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۹۹ء

تدریس پر مامور کیے گئے، مدرسہ قادریہ کے مدرس، مفتی، صدر مدرس اور مہتمم کے عہدے تک ترقی کی، اور اسی مدرسہ کی خدمت کرتے کرتے دنیا سے رحلت فرمائی۔ آپ کی وفات ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۷ء کے درمیانی عرصے میں ہوئی، درگاہ قادریہ بدایوں میں آسودۂ خاک ہیں۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں سیدنا شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری قدس سرہٗ سے بیعت کا شرف حاصل تھا اور آپ ہی سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔

آپ کی جو تصانیف اب تک ہماری نظر سے گزری ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں: تفسیر سورۂ بقر، آیات خلافت، شارحۃ الصدور فی احکام القبور، البیان اور التمہید لمصنف الصول الشدید وغیرہ۔ شارحۃ الصدور تاج الفحول اکیڈمی نے گزشتہ دنوں شائع کی ہے اب الدرر السنیۃ کا زیر نظر ترجمہ شائع کیا جارہا ہے۔

آج سے ساٹھ ستر سال قبل علما جس قسم کی اُردو لکھتے تھے اس ترجمہ میں بھی کہیں کہیں اس کے اثرات نظر آتے ہیں لیکن اس کے باوجود ترجمہ سلیس اور عام فہم ہے۔ ہم نے اس میں صرف اتنا کیا ہے کہ کہیں کہیں بریکٹ میں بعض الفاظ کی وضاحت کر دی ہے یا کہیں قوسین میں کوئی جملہ لکھ کر آگے اور پیچھے کے جملے کو مربوط کر دیا، مگر ایسا بہت کم جگہ ہوا ہے۔ جہاں کہیں قرآنی آیات یا احادیث آئیں تھیں مترجم نے اصل عربی نقل کر کے اس پر نمبر ڈال دیا تھا اور اس کا اُردو ترجمہ حاشیہ میں درج کیا تھا، ہم نے آیات واحادیث کا ترجمہ بین القوسین متن میں ہی درج کر دیا ہے۔ پرانے طریقے کے مطابق کتاب ایک مسلسل مضمون کی شکل میں تھی، ہم نے جگہ جگہ پیرابندی کر کے درمیان میں ذیلی عناوین کا اضافہ کر دیا ہے تا کہ کتاب سے استفادہ آسان ہو جائے۔

رب قدیر ومقتدر مصنف ومترجم کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس رسالہ کو مخلوق خدا کی اصلاح و ہدایت کا ذریعہ بنائے (آمین)۔

اسید الحق قادری
مدرسہ قادریہ بدایوں

۲۱ر ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ
۷ر دسمبر ۲۰۰۹ء

☆☆☆



اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا ﷺ عَلٰی سَائِرِ الْمَخْلُوْقَاتِ
وَ شَرَّفَ اُمَّتَهٗ عَلٰی سَائِرِ الْاُمَمِ وَاَعْلٰی لَهُمُ الدَّرَجَاتِ وَعَلٰی اٰلِهٖ
وَوَاَصْحَابِهِ الْمُتَّقِیْنَ اٰثاره وَمَنْ تَبِعَهُمْ فِیْ جَمِیْعِ الْحَالَاتِ

بعد حمد ونعت کے عبد فقیر خادم طلبہ مسجد حرام کثیر الذنوب والآثام مفتقر الی ربہ المنان احمد بن زینی دحلان غفر اللّٰہ تعالیٰ له ولوالدیه ولمشائخه ومحبیه والمسلمین اجمعین (اللہ تعالیٰ اس کی، اس کے والدین، مشائخ محبین اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے) کہتا ہے کہ مجھ سے ایک ایسے شخص نے جس کا کہنا میں ٹال نہیں سکتا تھا فرمائش کی کہ تم آیات واحادیث اور اقوال سلف وائمہ مجتہدین سے وہ دلائل قویہ جمع کرو جن سے اہل سنت نے زیارت وتوسل نبی ﷺ پر استدلال کیا ہے لہٰذا میں نے یہ مختصر رسالہ تالیف کر دیا اس لیے کہ تفصیلی بیان کتب علمائے اخیار میں موجود ہے واللہ المستعان.

بحث زیارت قبر نبوی

جاننا چاہیے کہ قرآن واحادیث، اجماع امت اور قیاس سے آنحضرت ﷺ کی مزار پر انوار کی زیارت کا حکم ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ
الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا“

ترجمہ: اگر وہ ظلم کرلیں اور (اے محمد ﷺ) آپ کے پاس حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہیں اور آپ بھی اُن کے لیے مغفرت طلب کریں تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے اور رحم فرمانے والا پائیں۔

اس آیت میں امت کو یہ رغبت دلائی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر استغفار کریں اور آپ سے طلب مغفرت کے لیے عرض کریں اور یہ بات آپ کے انتقال کے بعد بھی باقی ہے۔ یہ بات بھی اس آیت سے ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اس وقت توبہ قبول کرے گا اور رحم فرمائے گا جب آنحضرت ﷺ کے حضور میں جا کر توبہ کریں اور آنحضرت ﷺ اُن کے واسطے دعائے مغفرت فرمائیں، سو آنحضرت ﷺ تو تمام مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت فرماتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

اپنے اور تمام مسلمان مرد وعورتوں کے لیے مغفرت طلب کرو

اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ ارشاد الٰہی کی تعمیل حضور نے ضرور فرمائی۔ صحیح مسلم میں بروایت صحیح آیا ہے کہ بعض صحابہ نے بھی آیت کے یہی معنی سمجھے تھے۔

اور جب لوگ آ کر استغفار کریں گے تو وہ تینوں باتیں پوری ہو جائیں گی جو توبہ ورحمت الٰہی کا موجب ہیں اور آئندہ احادیث سے یہ بات معلوم ہوگی کہ آنحضرت ﷺ کا طلب مغفرت کرنا زمانۂ حیات کے ساتھ مقید نہیں اور یہ بھی آپ کے کمال شفقت کے سبب سے معلوم ہے کہ جو شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے استغفار کرنے کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوگا اُس کے لیے آپ ضرور استغفار کریں گے۔ آیت کریمہ اگرچہ حالت حیات میں مخصوص لوگوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے لیکن عموم علت کے سبب سے اُن تمام لوگوں کو شامل ہے جن میں یہ وصف پایا جائے، خواہ آپ کے زمانۂ حیات میں ہو یا بعد وفات۔ اسی واسطے علما نے اس آیت کو تمام حاضر ہونے والوں کے لیے عام سمجھا ہے اور جو کوئی آنحضرت ﷺ کے روضۂ مطہرہ پر حاضر ہو اُس کے واسطے اس آیت کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے کو مستحب ومسنون ٹھہرایا ہے اور چاروں مذہب کے مصنفوں نے اس کو مناسک (حج کے مسائل) میں ذکر کیا ہے۔

آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنے والوں میں کوئی فرق نہیں ہے خواہ وہ سفر کر کے آئیں یا بغیر سفر کے، اس لیے کہ "جاء و ک" شرط کے تحت واقع ہوا ہے جو عموم پر دلالت کرتی ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ.

جو شخص اپنے گھر سے اللہ ورسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلے پھر اُس کو (راستہ میں) موت آجائے تو اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم میں اُس کا اجر ہو جائے گا

جس کو علم کا کچھ بھی ذوق ہے وہ اس میں شک نہ کرے گا کہ جو شخص زیارت نبی ﷺ کی غرض سے نکلے گا اُس پر یہ بات صادق آجائے گی کہ وہ اللہ ورسول کی طرف ہجرت کرنے کے واسطے نکلا ہے کیونکہ آئندہ احادیث سے ثابت ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کی زیارت بعد وفات بھی حالت حیات ہی کی طرح ہے اور بحالتِ حیات تو آپ کی زیارت اس آیت میں قطعاً داخل ہی ہے۔ لہٰذا آگے آنے والی احادیث کی بنا پر بعد وفات بھی داخل ہے۔

قیاس سے (ثبوت زیارت اس طرح ہے کہ) حدیث صحیح متفق علیہ میں زیارت قبور کا حکم آیا ہے تو قبر نبی ﷺ اُن میں بدرجۂ اولیٰ داخل ہے بلکہ آپ کی قبر سے دوسری قبروں کو کوئی نسبت نہیں۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ سے اہل بقیع وشہدائے اُحد کی زیارت ثابت ہے۔ تو آپ کی قبر شریف کی زیارت بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیے کیونکہ اُس کا حق ثابت اور تعظیم واجب ہے اور آنحضرت ﷺ کی زیارت اس لیے ہے کہ آپ کی تعظیم سے برکت حاصل ہو اور قبر شریف کے پاس فرشتوں کے سامنے جو مزار شریف کو گھیرے ہوئے ہیں آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے سے زائر کو بے انتہا رحمت وبرکت نصیب ہو۔

اجماع اہل اسلام (سے بھی زیارت کا ثبوت ہے) چنانچہ علامہ ابن حجر "الجوہر المنظم فی زیارۃ قبر النبی المکرم" میں فرماتے ہیں کہ حاملین شرع شریف ومعتمد ائمہ کی ایک جماعت نے (جواز زیارت پر) اجماع نقل کیا ہے مگر اس کے واجب ومستحب ہونے میں اختلاف ہے تو جو شخص جواز زیارت میں اختلاف کرتا ہے وہ اجماع کو توڑتا ہے۔ زیارت کو واجب کہنے والے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے اس قول سے استناد کرتے ہیں کہ

مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي

جو شخص کعبہ کا حج کرے گا اور میری زیارت نہ کرے گا وہ مجھ پر جفا کرے گا

اس حدیث کو قابل حجت سند سے ابن عدی نے روایت کیا ہے اور آنحضرت ﷺ پر جفا کرنا حرام ہے تو عدم زیارت جو جفا کو متضمن ہے وہ بھی حرام ہے اور جمہور جو زیارت کے مستحب ہونے کے قائل ہیں وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جفا امور اضافیہ میں سے ہے کیونکہ کبھی ترک مستحب کو جفا کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ بر وصلہ کا ترک ہے اور کبھی سخت دلی اور کسی چیز سے دور ہونے کو بھی جفا کہتے ہیں، تو اکثر علمائے سلف وخلف زیارت کو مستحب کہتے ہیں نہ کہ واجب۔ بہر حال زیارت اور اُس کے اسباب سفر وغیرہ نہایت موجب ثواب ہیں اور اس پر بھی بہت سی احادیث صحیحہ صریحہ دلالت کرتی ہیں۔ جن میں وہی شخص عیب لگا سکتا ہے جس کا نور بصیرت جاتا رہا ہو۔

منجملہ اُن کے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

من زار قبری وجبت لهٗ شفاعتی

جو شخص میرے مزار کی زیارت کرے گا اُس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی

دار قطنی وغیرہ بہت ائمہ حدیث نے اسے روایت کیا ہے۔ امام سبکی نے اپنی کتاب ''شفاء السقام فی زیارۃ قبر خیر الانام'' میں اس حدیث کی طریقوں اور اس کے صحیح بتانے والے اماموں کا مبسوط بیان کیا ہے۔ پھر احادیث زیارت کی بہت سی روایتیں ذکر کی ہیں سب اس حدیث کی مؤید ہیں۔

منجملہ اُن کے یہ روایت ہے:

من زارنی بعد موتی فكانما زارنی فی حیاتی

جو شخص بعد وفات میری زیارت کرے گا وہ گویا میری حیات میں ہی زیارت کرے گا

ایک روایت میں ہے:

من جاء نی زائراً لاتعمله حاجة الا زیارتی كان حقًا علیّ ان اكون له شفیعًا یوم القیامة

جو شخص بغیر کسی اور حاجت کے میری زیارت ہی کے قصد سے آئے گا اُس کا مجھ پر اور اللہ عزوجل پر حق ہو گا کہ قیامت کے دن میں اُس کی شفاعت کروں

اور ایک روایت میں ہے:

من جآء نی زائرًا كان له حقًا علی اللّٰه عزّوجلّ ان اكون له شفیعًا یوم القیمة

جو میری زیارت کے لیے آیا تو اللہ کے ذمہ کرم میں ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہو جاؤں

ابو یعلی، دار قطنی، طبرانی، بیہقی، ابن عساکر کی روایت میں ہے:

من حجّ فزار قبری اوفزارنی بعد وفاتی عند قبری كان كمن زارنی فی حیاتی

جس نے حج کیا پھر میری قبر کی زیارت کی، یا میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو وہ اس طرح ہے جیسے اس نے میری حیات میں زیارت کی

اور ایک روایت میں ہے:

من حج فزارنی فی مسجدی بعد وفاتی كان كمن زارنی فی حیاتی

جس نے حج کیا پھر میری وفات کے میری مسجد میں میری زیارت کی تو وہ اسی طرح ہے جیسے اس نے میری حیات میں زیارت کی

اور ایک روایت میں ہے:

من زارنی الی المدینة كنت له شفیعًا و شهیدًا و من مات باحد الحرمین بعثه اللّٰه من الآمنین یوم القیامة

جو شخص مدینہ تک میری زیارت کو جائے گا اُس کے لیے میں شفیع اور شاہد ہوں گا اور جو شخص کعبہ یا مدینہ کے حرم میں مر جائے گا اُس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن امان کے ساتھ اُٹھائے گا

اس زیادتی کے ساتھ ابوداؤد وطیالسی نے روایت کی ہے۔

اس کے بعد (امام سبکی نے) بہت سی احادیث ذکر کی ہیں جو سب زیارت کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان کا ذکر کے ہمیں طوالت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ غرض کہ یہ تمام احادیث اور وہ احادیث جو ہم نے بیان کیں، آنحضرت ﷺ کی حالت حیات و وفات میں مردو

عورت سب کے لیے زیارت کے مستحب بلکہ موکد ہونے میں صریح ہیں اور یہی حکم باقی انبیاو صالحین وشہدا کی زیارت کا ہے۔ اور زیارت سفر کو بھی شامل ہے اس واسطے کہ وہ مکان زائر سے مکان مزور کی طرف انتقال کو چاہتی ہے جیسے لفظ ''مجی'' جو آیت کریمہ میں صراحۃً مذکور ہے (انتقال کو چاہتا ہے) اور جب ہر زیارت قربت (باعث ثواب) ہے تو اُس کے لیے جو سفر ہو وہ بھی باعث قربت ہے اور آنحضرت ﷺ سے اپنے اصحاب بقیع واُحد کی زیارت قبر کے لیے تشریف لے جانا بروایت صحیح ثابت ہے، جب آنحضرت ﷺ کے علاوہ اوروں کی زیارت قبر کے لیے انتقال کا جائز ہونا ثابت ہوگیا تو آپ کی قبر شریف کے لیے بدرجہ اولیٰ (ثابت ہوگیا) اور یہ قاعدہ متفق علیہ ہے کہ جو چیز کسی کار ثواب کا وسیلہ اور ذریعہ ہوتی ہے وہ خود کار ثواب ہوتی ہے۔ یعنی اس حیثیت سے کہ وہ اس کی طرف موصل (پہنچانے والا) ہے تو یہ اس کے منافی نہیں کہ اُس وسیلہ میں کبھی دوسری حیثیت سے کوئی حرام بات عارض ہو جاتی ہے مثلاً غصب کی ہوئی زمین پر چلنا۔ اس متفق علیہ قاعدہ سے ثابت ہوا کہ زیارت کی طرح اُس کے لیے سفر بھی قربت اور کار ثواب ہے۔

زیارت کے جواز پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اور جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ زیارت فقط قریب والوں کے حق میں قربت ہے وہ شریعت پر افترا کرتا ہے اور قابل اعتماد نہیں اور بعض محروموں نے جو یہ وہم کیا ہے کہ ''زیارت یا اُس کے لیے سفر کی ممانعت توحید کی حفاظت کی قسم سے ہے اور زیارت شرک تک پہنچانے والے امور میں سے ہے''۔ تو یہ خیال باطل ہے اس لیے کہ شرک تک پہنچانے والا تو قبروں کو سجدہ گاہ بنانا یا اُن پر اعتکاف کرنا اور اُن پر تصویریں بنانا ہے جیسا کہ احادیث صحیح میں وارد ہے بخلاف زیارت اور سلام ودعا کے، ہر عقل مند ان میں فرق سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ زیارت جب آداب شریعت کے لحاظ سے کی جائے گی تو ہرگز کوئی قباحت پیدا نہ کرے گی اور جو شخص سدّ ذریعہ کے خیال سے اُس کی ممانعت کا قائل ہے تو وہ اللہ ورسول ﷺ پر افترا کرتا ہے۔

یہاں دو امر ضروری ہیں۔ ایک تو تعظیم نبی ﷺ کا واجب اور تمام خلق سے آپ کے مرتبہ کا بلند ہونا اور دوسری توحید یعنی یہ اعتقاد کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات وافعال میں تمام خلق سے

منفرد ہے، پس جو شخص ان میں سے کسی بات میں کسی مخلوق کو باری سبحانہ وتعالیٰ کا شریک سمجھے وہ مشرک ہے اور جو رسول ﷺ کے مرتبہ میں کچھ کمی کرے وہ گنہگار یا کافر ہے اور جو آپ کی تعظیم میں مبالغہ کرے لیکن ایسی تعظیم نہ کرے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے وہ حق پر ہے اور جانب ربوبیت ورسالت دونوں کو حد پر رکھنے والا ہے اور یہی ایسا قول ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔

حدیث شد رحال کی تشریح

اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ

لَا تَشُدُّوا الرِّحَالَ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِی هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی

اونٹوں کے لیے سزاوار نہیں کہ اُن کے کجاوے مسجد حرام اور میری اس مسجد اور مسجد اقصیٰ کے سوا کسی اور مسجد کی طرف باندھے جائیں

تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تعظیم ونماز کے خیال سے کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے سوائے تین مسجدوں (مسجد حرام یعنی کعبہ، مسجد نبوی اور مسجد بیت المقدس) کے کہ ان کی طرف تعظیم ونماز کی غرض سے سفر کیا جاتا ہے۔ یہاں تعظیم اور نماز کو مقدر ماننا ضروری ہے ورنہ اس حدیث سے حج، جہاد، دار الکفر سے ہجرت، طلب علم، تجارت دنیا وغیرہ سب باتوں کے لیے سفر کی ممانعت ہو جائے گی، حالانکہ اس کا قائل کوئی بھی نہیں۔ علامہ ابن حجر ''الجوہر المنظم'' میں فرماتے ہیں کہ حدیث مذکور کی اس تاویل کا ثبوت ایک حدیث سے بھی ہوتا ہے، جس کی سند حسن ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:

لا ینبغی للمطی ان تشد رحالها الی مسجد یبتغ الصلوة فیه غیر المسجد الحرام و مسجدی هذا و المسجدالاقصی

خلاصہ یہ کہ مسئلہ واضح وجلی ہے جس کے بارے میں مستقل تصانیف ہیں تو اس سے زیادہ طول کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کا دل منور فرماتا ہے اُس کو اس سے بہت کم کافی ہے اور جس کا دل تاریک ہو اُس کو روشن نشانیاں بھی کافی نہیں۔

مسئلہ توسل

(باقی رہا) توسل تو وہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام اور متقدمین و متاخرین امت سے صحیح طور پر ثابت ہے۔ آنحضرت ﷺ سے تو اس کا صدور بہت سی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے منجملہ اُن کے یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ دعا مانگا کرتے تھے:

اللّٰھم انی اسالک بحق السائلین علیک

اے اللہ تعالیٰ میں تجھ سے اُس حق کے ذریعہ سے سوال کرتا ہوں جو سائلوں کا تیرے اوپر ہے

اور اس کے توسل ہونے میں کچھ شک نہیں ہے۔ بہت سی احادیث صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ اصحاب کرام کو دعائیں تعلیم کیا کرتے تھے، جن میں سے ایک وہ دعا ہے جسے ابن ماجہ نے بسند صحیح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اپنے گھر سے نماز کے لیے نکلے اور یہ کہے کہ:

اللّٰھم انی اسالک بحق السائلین علیک و اسالک بحق ممشاي ھذا الیک فانی لم اخرج اشرا ولا بطرا ولاریاء ولا سمعة وخرجت اتقاء سخطک وابتغاء مرضاتک فاسألک ان تعیذنی من النار وان تغفرلی ذنوبی فانه لا یغفر الذنوب الا انت

ترجمہ: اے اللہ تعالیٰ اُس حق سے سوال کرتا ہوں جو تجھ پر سائلین کا ہے اور تیری طرف اپنے اس چلنے کے حق سے کیونکہ میں تکبر یا ریا سے یا شہرت طلبی کی غرض سے نہیں نکلا بلکہ تیرے غضب کے خوف سے اور تیری مرضی چاہنے کے لیے نکلا ہوں تو میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو دوزخ سے پناہ دے اور میرے گناہوں کو بخش دے تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا۔

تو اللہ تعالیٰ اُس کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور ستر ہزار فرشتے اُس کے لیے استغفار کریں گے۔
اس حدیث کو مولانا جلال الدین سیوطی نے بھی جامع کبیر میں اور بہت سے ائمہ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے جہاں نماز کے لیے جاتے وقت دعاے مسنون کا بیان ہے، یہاں تک کہ بعض کا

قول ہے کہ سلف میں کوئی ایسا نہ تھا جو نماز کے لیے جاتے وقت یہ دعا نہ پڑھتا ہو۔ پس الفاظ (بحق السّائلین علیک) پر غور کرو کہ اس میں ہر مسلمان بندہ سے توسل ہے اور حدیث مذکور کو ابن سنی نے بھی بہ اسناد صحیح حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مؤذن رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے ان کے لفظ یہ ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز کے واسطے تشریف لے جاتے تھے تو فرمایا کرتے تھے:

بسم اللّٰہ امنت باللّٰہ توکلت علی اللّٰہ ولاحول ولا قوّة الا باللّٰہ اللّٰھم انّی اسالک بحق السائلین علیک وبحق مخرجی ھذا فانی لم اخرج بطراً ولا اشرًا ولاریآءً وسُمعَةً خَرَجْتُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِکَ وَاِتِّقَاءَ سَخَطِکَ اَسْاَلُکَ اَنْ تُعِیْذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَاَنْ تُدْخِلَنِی الْجَنَّةَ

اور حافظ ابونعیم نے ''عمل الیوم واللیلہ'' میں حدیث ابوسعید سے بہ ایں الفاظ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے جاتے تو فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ علیکَ

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس حق کے وسیلے سے جو سوال کرنے والوں کا تیرے اوپر ہے

امام بیہقی نے بھی اس کو حدیث ابوسعید سے کتاب الدعوات میں روایت کیا ہے اور محل استدلال یہ قول ہے اَسْاَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ اس تمام بیان سے معلوم ہوگیا کہ توسل نبی ﷺ سے صادر ہوا ہے اور آپ نے صحابہ کرام کو اس کا حکم دیا ہے اور تابعین و تبع تابعین تمام سلف ہمیشہ نماز کو جاتے وقت اس دعا کا استعمال کرتے رہے ہیں اور کسی نے اُن پر اعتراض نہیں کیا۔

منجملہ احادیث توسل کے یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ بعض دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے **بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی** (میرے اور مجھ سے پہلے انبیا کے حق سے) علامہ ابن حجر نے الجوہر المنظم میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے بسند جید روایت کیا ہے۔

منجملہ اُن کے آنحضرت ﷺ کا یہ قول ہے:

اغفر لامی فاطمة بنت اسد ووسع علیھا مدخلھا بحق نبیک

والانبياء الذين من قبلی

اے اللہ جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور خود ہمیشہ زندہ ہے میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت کر اور ان کی قبر کو کشادہ کر دے، میرے اور مجھ سے پہلے انبیا کے حق سے

یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جسے طبرانی نے کبیر و اوسط میں اور ابن حبان اور حاکم نے روایت کر کے صحیح بتایا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم والدۂ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا، جنھوں نے آنحضرت ﷺ کو پرورش کیا تھا تو آپ تشریف لے گئے اور اُن کے سر کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا ''اے میری ماں تم پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے'' اس کے بعد راوی نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے اُن کی تعریف کی اور اپنی چادر میں کفن دیا اور قبر کھودنے کا حکم دیا، جب لحد تک پہنچے تو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے اُسے کھود کر مٹی نکالی پھر اس سے فارغ ہو کر آپ اُس کے اندر جا کر لیٹ گئے اور فرمایا:

اَللّٰہُ الَّذِیْ یُحْیِ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ اِغْفِرْ لِاُمِّیْ فَاطِمَۃ بنت اَسْد وَوَسِّعْ عَلَیْھَا مَدْخَلَھَا بِحَقِّ نَبِیِّکَ وَالْاَنْبِیَآءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ فَاِنَّکَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن

ترجمہ: اے اللہ جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور خود ہمیشہ زندہ ہے میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت کر اور ان کی قبر کو کشادہ کر دے میرے اور مجھ سے پہلے انبیا کے حق سے کیونکہ تو ارحم الراحمین ہے۔

اور اسی طرح ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر سے اور ابن عبد البر نے حضرت ابن عباس سے اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ یہ تمام بیان حافظ جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر میں لکھا ہے۔

منجملہ اُن احادیث صحیحہ کے جن میں توسل کی تصریح ہے وہ حدیث ہے جسے ترمذی، نسائی، بیہقی اور طبرانی نے باسناد صحیح حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی سے روایت کیا ہے کہ ایک نابینا نے آ کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میری بینائی کے لیے دعا کیجیے تو آپ نے فرمایا خواہ دعا کرو خواہ صبر کرو مگر بہتر صبر ہی ہے، اُس نے کہا آپ دعا کر دیجیے تو آپ نے اُس

سے فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا پڑھو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ لِتُقْضٰی اَللّٰھُمَّ شَفِّعْہُ فِیَّ

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اے محمد ﷺ میں آپ کے وسیلے سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تا کہ میری حاجت پوری ہو جائے اے اللہ تعالیٰ میرے بارے میں آپ کی شفاعت قبول فرما۔

جب دوبارہ آپ کے پاس حاضر ہوا تو اُس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ابن حنیف کہتے ہیں ''قسم اللہ کی ہم وہیں بہت دیر تک باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ وہ شخص آیا تو (یہ حالت تھی کہ) گویا کبھی اُس کو کوئی تکلیف تھی ہی نہیں''۔ تو اس حدیث میں توسل بھی ہے اور ندا بھی۔ اور اس حدیث کو بخاری نے بھی اپنی تاریخ میں اور ابن ماجہ نے اور حاکم نے مستدرک میں باسناد صحیح روایت کیا ہے اور جلال الدین سیوطی نے جامع صغیر و کبیر (دونوں) میں ذکر کیا ہے

بعد وفات توسل کا ثبوت

منکر توسل یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ تو آنحضرت ﷺ کی حیات میں تھا اس واسطے کہ اس دعا کا استعمال صحابہ و تابعین نے آپ کی وفات کے بعد بھی قضائے حوائج کے لیے کیا ہے چنانچہ طبرانی و بیہقی کی روایت ہے کہ ایک شخص اپنی کسی حاجت کی غرض سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کے زمانہ خلافت میں آیا کرتا تھا آپ اُس کی طرف التفات نہ فرماتے اور اُس کی حالت پر توجہ نہ کرتے تھے تو اُس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف راوی حدیث مذکور سے شکایت کی اُنھوں نے اس سے فرمایا کہ وضو کر کے مسجد میں جا اور نماز پڑھ کر یہ کہہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ

اور اپنی حاجت کا خیال کر۔ اُس نے جا کر ایسا ہی کیا پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر گیا تو دربان نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا دیا

آپ نے اُسے بٹھا کر فرمایا کہ اپنی حاجت بیان کر، اُس نے بیان کی تو آپ نے پوری کردی پھر فرمایا کہ جو حاجت تم کو ہوا کرے وہ بیان کر دیا کرو اُس کے بعد وہ آپ کے پاس سے چلا آیا اور حضرت ابن حنیف سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے وہ میری حاجت پر نظر نہ کرتے تھے یہاں تک کہ آپ نے اُن سے میری گفتگو کرادی۔ فرمایا واللہ میں نے گفتگو نہیں کرائی لیکن میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھا تو ایک نابینا نے آکر اپنے نابینا ہونے کی شکایت کی تھی (پھر آپ نے وہ پوری حدیث بیان کی)

پس یہ تو آپ کی وفات کے بعد توسل وندا ہے اور بیہقی و ابن ابی شیبہ نے باسناد صحیح روایت کی ہے کہ خلافت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں قحط پڑا تو حضرت بلال بن الحرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر نبی ﷺ پر حاضر ہو کر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ اپنی امت کے واسطے مینھ طلب فرمایئے وہ ہلاک ہو رہی ہے"۔ آنحضرت ﷺ نے خواب میں تشریف لا کر اُن سے فرمایا "کہ مینھ برسے گا" اور اس حدیث میں ہماری دلیل آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھنے سے نہیں ہے کیونکہ اگرچہ وہ حق ہے لیکن اُس سے احکام ثابت نہیں ہوتے اس واسطے کہ دیکھنے والے پر کلام مشتبہ ہو سکتا ہے نہ اس واسطے کہ دیکھنے میں شک ہے بلکہ استدلال فعل صحابی یعنی بلال بن الحرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اُن کا قبر نبی ﷺ پر حاضر ہو کر آپ کو پکارنا اور طلب بارش کی استدعا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جائز ہے اور یہ آنحضرت ﷺ سے توسل و تشفع و استغاثہ کی قسم سے ہے جو بہت بڑی قربت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا توسل

آپ کے دادا حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کے وجود سے پہلے جب شجرۂ ممنوعہ کو کھا لیا تھا تو آپ سے توسل کیا تھا۔ اس حدیث کو بیہقی نے باسناد صحیح اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے جس (دلائل النبوۃ) کے بارے میں حافظ ذہبی (مشہور و معروف امام المحدثین) نے فرمایا ہے کہ اُسے ضرور دیکھو کیونکہ وہ تمام ہدایت و نور ہے (وہ حدیث یہ ہے) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا ہوگئی تو عرض کیا کہ "پروردگار میں بحق محمد تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت

کردے"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے آدم (علیہ السلام) تم نے محمد کو کس طرح پہچانا حالانکہ میں نے اُن کو پیدا بھی نہیں کیا" عرض کیا کہ "اے رب تو نے جب مجھ کو پیدا کیا تھا اور میں نے سر اُٹھایا تو عرش کے پایوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا دیکھا تھا، پس میں سمجھ گیا تھا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اُسی کا ذکر کیا ہوگا جو تمام خلق سے زیادہ تجھ کو محبوب ہے"۔ ارشاد ہوا "اے آدم تم سچ کہتے ہو بیشک وہ مجھ کو تمام خلق سے زیادہ محبوب ہیں اور جب تم نے اُن کے وسیلہ سے سوال کیا ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کر دی اور محمد اگر نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا ہی نہ کرتا"۔ اس کو حاکم نے روایت کر کے صحیح بتایا اور طبرانی نے بھی روایت کیا مگر اُنھوں نے یہ اور زائد کیا کہ "وہ تمہاری ذریت میں سے اخیر نبی ہیں"

اور اسی توسل کی طرف حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ منصور سے اشارہ فرمایا تھا اُس کا قصہ یہ ہے کہ جب منصور نے حج کیا اور قبر نبی ﷺ کی زیارت کی تو حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے دریافت کیا کہ "اے ابو عبداللہ میں قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں یا رسول اللہ ﷺ کی طرف منہ کر کے؟" امام مالک نے فرمایا "تم آپ کی طرف سے کیوں منہ پھیرتے ہو آپ تو تمہارا اور تمہارے دادا حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں آپ ہی کی طرف منہ کر کے آپ کو شفیع بناؤ تو اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا" اسے قاضی عیاض نے شفا میں باسناد صحیح بیان کیا ہے اور امام سبکی نے شفا السقام میں، سید سمہودی نے خلاصۃ الوفا میں، علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں، علامہ ابن حجر نے جوہر منظم میں اور بہت سے ارباب مناسک نے آداب زیارت میں ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر جوہر منظم میں فرماتے ہیں کہ اس کی روایت امام مالک سے بہ سند صحیح آئی ہے جس میں کسی قسم کا طعن نہیں اور علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں کہ اس کو ابن فہد نے باسناد جید روایت کیا ہے اور قاضی عیاض نے شفا میں باسناد صحیح روایت کیا ہے جس کے راوی ثقہ ہیں، اس کی سند میں کوئی وضاع و کذاب نہیں اور اس سے مراد علامہ زرقانی کی اُن لوگوں کا رد ہے جو امام مالک سے اس روایت کی تصدیق نہیں کرتے اور اُن کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ قبر کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے۔ پس امام مالک کی طرف کراہت کی نسبت مردود ہے۔ بعض مفسرین نے آیہ کریمہ فَتَلَقّٰی اٰدَمُ

مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (درخت کھالینے کے بعد حضرت آدم نے اپنے رب سے چند کلمے سیکھے جن کی وجہ سے اُن کی خطا معاف ہوگئی) کے متعلق بیان کیا ہے کہ منجملہ اُن کلمات کے نبی ﷺ سے توسل تھا کہ ''پروردگار، بحرمت محمد میں تجھ سے مغفرت کا سوال کرتا ہوں''

حضرت عمر اور توسل

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب سے بارش کے لیے توسل کیا، جب کہ عام رمادہ (وہ سال جس میں لوگ راکھ کھانے لگے تھے) میں سخت قحط پڑا۔ چنانچہ یہ قصہ صحیح بخاری میں بروایت حضرت انس بن مالک مذکور ہے۔ مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بارش کی استدعا کی تو فرمایا ''اے لوگو رسول اللہ ﷺ حضرت عباس کو والد کی طرح سمجھتے تھے، پس آپ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی اقتدا کرو اور ان کو اللہ تعالیٰ تک وسیلہ بناؤ۔ تو اس میں توسل کی تصریح ہے۔ پس ان لوگوں کا قول بھی باطل ہوگیا جو زندوں مردوں سب سے توسل کو منع بتاتے ہیں اور ان لوگوں کا بھی جو غیر نبی ﷺ سے توسل کو ناجائز کہتے ہیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استدعا کی تھی تو خاص یہ لفظ تھے:

اَللّٰھُمَّ انا کنا نتوسل بنبینا ﷺ فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا ﷺ فاسقنا

اے اللہ ہم اپنے نبی ﷺ کو تجھ تک وسیلہ بناتے تھے تو تو مینہ برسا دیتا تھا اب ہم نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں پس مینہ برسا دے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل حجت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ

بیشک اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق رکھا ہے

اس کو امام احمد و ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نیز امام احمد، ابوداؤد اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نیز ابویعلی اور حاکم نے مستدرک میں حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نیز طبرانی نے کبیر میں حضرت بلال و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے اور طبرانی نے کبیر میں اور ابن عدی نے کامل میں حضرت فضل بن العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

عمر معی وانا مع عمر والحق بعدی مع عمر حیث کان

عمر میرے ساتھ اور میں اُن کے ساتھ ہوں اور حق میرے بعد عمر کے ساتھ ہے جہاں کہیں وہ ہوں

جس طرح کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا وادر الحق معہ حیث دار (اے اللہ جس طرف وہ جائیں اُسی طرف حق رکھ) اور یہ حدیث صحیح ہے۔ جس کو بہت سے اصحاب سنن نے روایت کیا ہے تو حضرت عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما جہاں کہیں ہوں گے اُن کے ساتھ حق ہوگا۔ یہ دونوں حدیثیں منجملہ اُن دلیلوں کے ہیں جن سے اہل سنت نے خلافت خلفاء رابعہ کی صحت پر استدلال کیا، اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول خلفاء ثلاثہ کے ساتھ تھے آپ نے اُن سے خلاف میں نزاع نہیں کیا۔ پھر جب خلافت آپ تک آئی اور اُن لوگوں نے آپ سے نزاع کیا جو آپ سے تقدم کے مستحق نہ تھے تو آپ نے اُن سے قتال کیا۔ حضرت عباس سے حضرت عمر کا توسل کرنا توسل کے جائز ہونے کی دلیل ہے اس کی تائید میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے لو کان بعدی نبی لکان عمر (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے)۔ اس کو امام احمد و ترمذی نے اور حاکم نے مستدرک میں عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نیز طبرانی نے کبیر میں عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور طبرانی نے کبیر میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر فانهما حبل اللہ الممدود من تمسک بهما فقد تمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لها

میرے بعد جو دو شخص (خلیفہ ہوں یعنی ابوبکر و عمر) اُن کی پیروی کرنا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کھینچی ہوئی رسی ہیں جو اُن دونوں کو مضبوط پکڑ لے گا وہ ایسی محکم رسی کو پکڑ لے گا جو زائل نہیں ہوسکتی

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے استدعا کی نبی ﷺ سے نہ کی تا کہ لوگوں کو غیر نبی ﷺ سے استدعا بارش کرنے کا جواز معلوم ہو جائے۔ نبی ﷺ سے استدعا تو اُن کو معلوم ہی تھی مگر شاید کسی کو وہم ہوتا کہ غیر نبی ﷺ سے استدعا نا جائز ہے اس واسطے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس سے استدعا کر کے جواز بیان کر دیا اور اگر آپ آنحضرت ﷺ سے استدعا کرتے تو شاید بعض لوگ اس سے سمجھتے کہ غیر نبی ﷺ سے استدعا جائز نہیں۔

اگر کوئی کہے کہ آپ نے حضرت عباس سے اس لیے استدعا کی کہ وہ زندہ تھے اور آنحضرت ﷺ وفات پا چکے تھے اور مردہ سے استدعا جائز نہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ وہم بہت سی دلیلوں سے باطل و مردود ہے منجملہ اُن کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نبی ﷺ سے بعد وفات توسل ہے جیسا کہ عثمان بن حنیف و بلال بن الحرث رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے اور قبل وجود نبی ﷺ سے توسل حضرت آدم کی روایت حضرت عمر سے بیان ہو چکی، جب قبل وجود توسل خود حضرت عمر روایت کر چکے تو یہ وہم کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ بعد وفات صحت توسل کا اعتقاد نہ رکھتے ہوں گے۔ علاوہ بریں نبی ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ سے توسل قبل وجود، وقت حیات، بعد وفات (ہر وقت) صحیح ہے اور آپ کے علاوہ اور نیک لوگوں سے بھی صحیح ہے جیسا کہ حضرت عمر نے کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس لیے خاص کیا کہ اہل بیت رسول ﷺ کا شرف ظاہر ہو اور یہ معلوم ہو جائے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول سے توسل جائز ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں موجود تھے۔ بعض عارفین فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کے حضرت عباس سے توسل کرنے اور آنحضرت ﷺ سے نہ کرنے میں ایک اور بھی نکتہ ہے یعنی ضعیف الایمان لوگوں پر شفقت اس واسطے کہ اگر نبی ﷺ سے استدعا کرتے تو اجابت میں تاخیر تو ممکن ہی تھی کہ وہ ارادہ مشیت الٰہی پر موقوف ہے اور اگر تاخیر ہوتی تو اس کے سبب سے ضعیف الایمان لوگوں کو وسوسہ و اضطراب ہوتا بخلاف اس کے کہ توسل بغیر النبی ﷺ میں اگر تاخیر اجابت ہوتی تو یہ وسوسہ و اضطراب نہ واقع ہوتا حاصل یہ کہ مذہب اہل سنت و جماعت میں نبی ﷺ سے بوقت حیات و بعد وفات توسل صحیح ہے اور یونہی آپ کے علاوہ دیگر انبیا و مرسلین

صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور اولیا و صالحین سے بھی صحیح ہے جیسا کہ احادیث سابقہ سے ظاہر ہے اس لیے کہ ہم اہل سنت تاثیر و خلق، ایجاد و اعدام اور نفع و ضرر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھتے ہیں، نبی ﷺ یا اور کسی زندہ یا مردہ کی طرف سے نہیں سمجھتے تو نبی ﷺ اور دیگر انبیا و مرسلین یا اولیا و صالحین سے توسل میں کچھ فرق نہیں اور یونہی اُن کے زندہ یا وفات شدہ ہونے میں بھی کوئی فرق نہیں کیونکہ وہ کوئی چیز نہ تو پیدا کرتے ہیں اور نہ کسی چیز میں اُن کی کچھ تاثیر ہے بلکہ محبوبانِ الٰہی ہونے کے باعث صرف اُن سے تبرک مقصود ہوتا ہے اور جو لوگ زندہ و مردہ ہونے میں تفریق کرتے ہیں اُن کی طرف وہم ہوتا ہے کہ وہ زندوں کے لیے تاثیر مانتے ہیں اور مردوں کے لیے نہیں مانتے تو اُن کے توحید میں شرک داخل ہے پھر وہ کیسے اپنے آپ کو توحید پر قائم رکھتے اور دوسروں کو شرک کی طرف منسوب کرتے ہیں سُبۡحَانَکَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ

پس توسل، تشفع، استغاثہ سب کے ایک معنی ہیں اور ان سے مقصود قلوب مومنین میں دوستانِ خدا کے ذکر سے تبرک کے سوا کچھ نہیں کیونکہ اُن کے سبب سے خواہ وہ زندہ ہوں یا نہ ہوں، بندوں پر اللہ تعالیٰ کا رحم کرنا ثابت ہے تو مؤثر و موجد تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ان اخیار کا ذکر اس تاثیر کا سبب عادی ہے جس طرح کہ کسب عادی کا حقیقتاً کچھ اثر نہیں اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات قبور میں اہل سنت کے نزدیک بہت سی دلیلوں سے ثابت ہے۔

حیات انبیا

منجملہ اُن کے یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں میں معراج کی شب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ہو کر گزرا تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہو کر گزرا تو اُنھوں نے فرمایا کہ اپنی امت کو میرا سلام پہنچا کر کہہ دینا کہ جنت کی مٹی خوشبودار ہے اور اُس کی زمین بالکل صاف ہے اور اُس کے درخت سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر ہیں۔ یوں ہی یہ واقعہ کہ بیت المقدس میں تمام انبیا جمع ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے امامت کی پھر آسمانوں پر اُن سے ملاقات ہوئی اسی طرح یہ قصہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر پچاس نمازیں فرض کیں اور آنحضرت ﷺ وہاں سے حضرت موسیٰ

علیہ السلام کے پاس آئے گئے اور اُنھوں نے واپسی کا حکم دیا یا اسی طرح سے یہ حدیث کہ انبیا حج کرتے اور تلبیہ کرتے ہیں اور یہ سب احادیث صحیح ہیں کسی نے ان کی سند پر طعن نہیں کیا تو ان کو ذکر کر کے طول دینے کی حاجت نہیں علاوہ اس کے نص قرآن سے شہدا کی حیات ثابت ہے اور انبیا تو شہدا سے افضل ہیں پس اُن کی حیات بدرجہ اولیٰ ثابت ہے۔ پھر حیات جو انبیاء وشہدا کے لیے ثابت ہے وہ حیات دنیوی کی طرح نہیں بلکہ حال ملائکہ کے مشابہ ہے۔ جس کی صفت وحقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے پس ہمیں اُس کے ثبوت پر ایمان لانا واجب ہے اُس کی کیفیت سے بحث نہیں اور جب یہ بات ہے تو (یہ حیات) اس بات کے منافی نہیں کہ ان میں سے ہر ایک حیات دنیوی سے انتقال کر چکا ہے یعنی دار دنیا میں جو حیات تھی وہ زائل ہوگئی اور دوسری حیات مل گئی۔ پس آیہ کریمہ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ (اے محمد ﷺ تم بھی وفات پانے والے ہو اور وہ بھی) میں کچھ اشکال نہیں اس کے متعلق مبسوط کلام بڑی کتابوں میں موجود ہے تو ہمیں اُس کے ذکر سے طول دینے کی ضرورت نہیں۔

منکرین توسل کا ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر کوئی شخص کہے کہ مانعین توسل کا شبہ یہ ہے کہ اُنھوں نے بعض عام لوگوں کو ایسے الفاظ ادا کرتے دیکھا جو یہ وہم ڈالتے ہیں کہ وہ لوگ غیر خدا کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے اور صالحین سے زندگی وموت کی حالت میں ایسی چیزیں طلب کرتے ہیں جو عادۃً اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کی جاتی ہیں اور ولی سے کہتے ہیں کہ ہمارا فلاں فلاں کام کر دو اور کبھی ایسے شخصوں کی ولایت کا اعتقاد رکھتے ہیں جو اس سے موصوف نہیں بلکہ تخلیط وعدم استقامت سے موصوف ہیں اُن کی طرف کرامات وخوارق عادات اور احوال ومقامات منسوب کرتے ہیں، حالانکہ وہ اس کے اہل نہیں اور نہ اُن میں ایسی کوئی بات، پائی جاتی ہے۔ پس یہ مانعین توسل یہ چاہتے ہیں کہ عام لوگوں کو اس حد سے تجاوز سے منع کریں تا کہ وہم دفع اور ذریعہ مسدود ہو جائے اگر چہ وہ یہ جانتے ہیں کہ عام لوگ غیر خدا کے لیے نہ تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ نفع وضرر کا اور توسل سے تبرک ہی کا قصد کرتے ہیں اور اگر کوئی چیز اولیا کی طرف منسوب کرتے ہیں تو اُن کی تاثیر کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جب یہ بات ہے اور تم سدّ ذریعہ چاہتے ہو تو اس کا کیا باعث ہے کہ تم امت کے عالم

وجاہل خاص وعام سب لوگوں کو کافر ٹھہراتے اور توسل کو مطلقاً منع بتاتے ہو بلکہ تم کو چاہیے کہ عام لوگوں کو ایسے الفاظ سے منع کرو جن میں تاثیر غیر خدا کا وہم ہو اور ان کو توسل میں سلوک ادب کا حکم دو، علاوہ اس کے ان الفاظ موہمہ سے مجازی معنی مراد ہو سکتے ہیں تکفیر مسلمین کی کیا حاجت ہے اور یہ مجاز عقلی ہے جو اہل علم کے یہاں شائع ومعروف اور تمام مسلمانوں کی زبانوں پر مستعمل ہے اور کتاب وسنت میں وارد ہے اور یہی مراد ہے اس قول سے کہ "اس کھانے یا پانی نے مجھ کو سیر کر دیا" اور "اس دوا نے مجھے شفا دی" اور "اس طبیب نے مجھ کو نفع دیا" تو یہ تمام امور اہل سنت کے نزدیک مجاز عقلی پر محمول ہیں کیونکہ کھانا حقیقت میں سیر نہیں کرتا بلکہ حقیقتاً سیر کرنے والا اللہ ہے ہاں کھانا سبب عادی ہے تو اُس کی طرف سیری کی نسبت مجاز عقلی ہے، یونہی باقی مثالوں کا حال ہے۔ پس مسلمان موحد سے جب کسی چیز کی نسبت ایسی ذات کی طرف ہو جائے جس کی طرف وہ حقیقتاً منسوب نہیں تو اُس کا مجاز عقلی پر محمول کرنا واجب ہے اور اسلام وتوحید اس مجاز کا قرینہ ہے جیسا کہ علمائے معانی نے اپنی کتابوں میں صراحۃً بیان کیا اور اس پر اجماع ٹھہرایا ہے باقی مطلق توسل سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں (خصوصاً) جبکہ وہ احادیث صحیحہ سے ثابت اور خود نبی ﷺ اصحاب کرام، سلف صالحین وخلف امت سے صادر ہے اور ان منکرینِ توسل میں سے بعض تو توسل کو حرام کہتے ہیں اور بعض کفر وشرک لیکن یہ سب باطل ہے اس واسطے کہ اکثر امت کے گمراہی پر اجماع تک پہنچاتا ہے، جو شخص صحابہ وعلمائے سلف وخلف کے کلام کا تتبع کرے گا وہ اُن سے بلکہ ہر مومن سے اوقات کثیرہ میں توسل کو صادر پائے گا اور اکثر امت کا اتفاق حرام یا کفر پر ہو نہیں سکتا۔ اس لیے کہ حدیث صحیح میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں لا تجتمع اُمتی علی ضلالۃ (میری امت گمراہی پر اکٹھی نہ ہوگی) بعض محدثین کا قول ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (اے امت محمد ﷺ تم تمام امتوں سے بہتر ہو) پس جب کہ یہ امت تمام امتوں سے بہتر ہے تو کل یا اکثر گمراہی پر کس طرح متفق ہو سکتی ہے۔

تو یہ منکرین جب سدّ ذریعہ کے طور پر لوگوں کو ایسے الفاظ سے منع کرنے کا ارادہ کریں جن سے غیر خدا کی تاثیر کا وہم ہوتا ہے تو اُن کو یہ کہنا چاہیے کہ توسل ادب سے اور ایسے الفاظ کے ساتھ ہو جن میں ایہام نہ ہو مثلاً توسل چاہنے والا یوں کہے کہ اے اللہ تعالیٰ میں تیرے نبی ﷺ اور انبیا

اور صالحین کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری فلاں فلاں حاجت پوری کر دے، نہ یہ کہ توسل ہی سے منع کر دیں اور نہ یہ کہ اہل اسلام و توحید جو اللہ وحدہ لاشریک ہی کے لیے تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں اُن کی تکفیر کی جرأت کریں۔

دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

منجملہ اُن شبہوں کے جس سے منکرین توسل استدلال کرتے ہیں یہ ارشادِ الٰہی ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُم بَعْضًا

رسول کو اس طرح نہ پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس آیت میں ان امر سے منع فرمایا ہے کہ وہ نبی ﷺ کو اس طرح مخاطب کریں جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو مثلاً آپ کو نام لے کر نہ پکاریں علیٰ ہذا القیاس۔ غیر خدا انبیا و صالحین وغیرہ سے وہ اشیا طلب نہ کرنا چاہئیں جو عادتاً اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کی جاتی ہیں تاکہ بحسب ظاہر اللہ تعالیٰ میں اور اُس کی خلق میں مساوات نہ ہو جائے، اگرچہ اللہ تعالیٰ سے طلب اس بنا پر ہے کہ وہ ہر چیز کا موجد و موثر ہے اور غیر خدا سے بدیں غرض کہ وہ سبب عادی ہے لیکن اس سے کبھی تاثیر کا وہم پیدا ہوتا ہے لہٰذا دفع ایہام کے خیال سے یہ طلب منع ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر نہ مطلق توسل کی ممانعت کا مقتضی ہے اور نہ موحد کی طلب کا کیونکہ یہ جب موحد سے صادر ہو گا تو مجاز عقلی پر محمول کیا جائے گا۔ پس نہ اس کے شرک ہونے کی کوئی وجہ ہے اور نہ حرام ہونے کی۔

علامہ ابن حجر الجوہر المنظم میں فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ توسل لفظ توسل سے کیا جائے یا لفظ تشفع سے یا لفظ استغاثہ سے، یا لفظ توجہ سے اس واسطے کہ توجہ مشتق ہے جاہ سے جس کے معنی علو مرتبت کبھی ذی جاہ سے اعلیٰ کی طرف توسل کیا جاتا ہے اور استغاثہ کے معنی ہیں مدد طلب کرنا اور مستغیث مستغاث (مستغیث مدد چاہنے والا اور مستغاث وہ جس سے مدد طلب کی جائے) سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کے لیے اپنے غیر سے اگرچہ اعلیٰ ہو مدد دلا دے پس آنحضرت ﷺ یا اور کسی سے توجہ یا استغاثہ کے معنی مومنوں کے قلوب میں یہی ہیں کہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جائے اور مجازاً کسی اور کو سبب عادی بنایا جائے، کوئی مسلمان اس کے علاوہ اور معنی کا قصد

نہیں کرتا اور جس کے سینہ میں یہ بات نہ سمائے وہ اپنے اوپر روئے نَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ.

تو اللہ تعالیٰ تو حقیقتاً مستغاث ہے اور اُس کی مدد خلق و ایجاد کی طریقہ سے ہے اور نبی ﷺ مجازاً مستغاث بہ ہیں اور اُن کی مدد کسب اور سبب عادی کے طور پر ہے اس اعتبار سے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے کیونکہ آپ کی قدر و منزلت عالی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یعنی (اے محمد ﷺ) جب تم نے (کافروں پر) باعتبار ظاہر کنکریاں پھینکی تھیں تو حقیقتاً خلق و ایجاد کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں نہ کہ تم نے۔ یونہی اس قول فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ کے معنی ہیں کہ حقیقت میں تم نے اُن کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے کیا، اسی طرح اس حدیث پاک وما انا حملتکم ولکن اللہ حملکم کے معنی ہیں کہ حقیقتاً میں نے تم کو سوار نہیں کیا بلکہ اللہ نے کیا اور ایسا اکثر ہوتا ہے کہ حدیث بیان حقیقت کے لیے آتی ہے اور قرآن کریم، رب کی طرف فعل کو مجازاً منسوب کر دیتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں جاؤ) اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں لن یدخل الجنۃ احدکم بعملہ (تم میں سے کوئی اپنے عمل سے جنت میں نہ جائے گا) تو آیت میں تو سبب عادی کا بیان ہے اور حدیث میں سبب حقیقی یعنی فضل الٰہی کا بیان ہے۔ خلاصہ یہ کہ استغاثہ کا اطلاق اُس پر جس سے مدد باعتبار کسب کے حاصل ہو امر معلوم ہے جس میں نہ لغۃً شک ہے نہ شرعاً۔ جب تم اغثنی یَا اَللّٰہ (اے اللہ میری مدد کر) کہو گے تو باعتبار خلق و ایجاد کے اسناد حقیقی مراد لو گے اور جب اغثنی یا رسول اللہ کہو گے تو باعتبار سبب و کسب اور توسط و شفاعت کے اسناد مجازی مراد لو گے اور اگر تم ائمہ اور سلف و خلف امت کا کلام تلاش کرو تو اس قسم کی بہت سی باتیں پاؤ بلکہ احادیث صحیحہ میں اس قسم کے واقعات بہت ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حشر و نشر اور حساب و کتاب کی بحث میں ہے کہ "لوگ اسی حالت میں حضرت آدم سے پھر حضرت موسیٰ سے پھر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے استغاثہ کریں گے" تو آنحضرت ﷺ کے اس قول کو دیکھو یہاں حضرت آدم وغیرہ سے استغاثہ مجازی ہے ورنہ حقیقتاً تو اللہ تعالیٰ ہی مستغاث بہ ہے اور آنحضرت ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ جو شخص مدد چاہتا ہو وہ کہے یا عباد اللہ اعینونی (اے اللہ کے بندو میری مدد کرو) اور ایک روایت میں اغیثونی ہے اور

قصۂ قارون کی حدیث میں آیا ہے کہ جب وہ زمین میں دھنسنے لگا تو اُس نے حضرت موسیٰ سے فریاد کی مگر آپ نے اُس کی فریاد نہ سنی بلکہ کہنے لگے ''اے زمین اس کو پکڑ لے'' تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر عتاب کیا اور فرمایا اس نے تم سے فریاد کی اور تم نے نہ سنی اگر مجھ سے فریاد کرتا تو میں ضرور اُس کی مدد کرتا پس اغاثہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف حقیقی ہے اور حضرت موسیٰ کی طرف مجازی اور کبھی آنحضرت ﷺ سے توسل کے معنی آپ سے دعا طلب کرنے کے ہوتے ہیں اس لیے کہ آپ قبر شریف میں زندہ ہیں اور سائل کے سوال کو جانتے ہیں۔ حضرت بلال بن الحرث رضی اللہ عنہ کی حدیث پیچھے گزر چکی ہے۔ جس میں بیان ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی قبر پر گئے اور کہا یا رسول اللہ اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمایئے، تو اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ سے (بعد وفات بھی) حصول حاجات کے لیے دعا طلب کی جاتی ہے۔ جس طرح عین حیات میں کی جاتی تھی کیونکہ آپ سائل کا سوال جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا وشفاعت کر کے اُس سوال کے حصول میں آپ سبب بھی بن سکتے ہیں اور ہر چیز میں قبل وجود و عین حیات و بعد وفات آپ سے توسل کیا جاتا ہے اسی طرح آپ عرصہ قیامت میں اللہ تعالیٰ سے شفاعت کریں گے اور یہ تمام امور تواتر سے ثابت ہیں اور ان پر منکرین کے ظہور سے پہلے ہی اجماع قائم ہو چکا ہے اور آنحضرت ﷺ کی جاہ وقدر اپنے سید و مولا کے نزدیک نہایت اعلیٰ وارفع ہے اُس نے آپ کو بہت کچھ عطا کیا ہے۔ باقی مانعین محرومین کا یہ خیال کہ توسل وزیارت سے ممانعت میں توحید کی حفاظت ہے اور توسل وزیارت شرک کی طرف لے جاتا ہے تو یہ خیال فاسد و باطل ہے کیونکہ توسل وزیارت جب آداب شریعت کی محافظت کے ساتھ ہو تو اس سے کوئی قباحت پیدا نہیں ہوتی اور جو شخص اس کو سدّ ذریعہ کے خیال سے منع کرتا ہے وہ اللہ ورسول اللہ ﷺ پر افترا کرتا ہے بات یہ ہے کہ توسل وزیارت کا انکار کرنے والوں کا اعتقاد یہ ہے کہ نبی ﷺ کی تعظیم جائز نہیں اور جس کسی سے تعظیم نبی ﷺ صادر ہوتی ہے اُس پر کفر و شرک کا حکم لگا دیتے ہیں اُن کا قول غلط ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی ﷺ کی عظمت بیان فرمائی ہے تو ہم پر اُس کی تعظیم واجب ہے۔ جس کی عظمت اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی ہو اور جس کی تعظیم کا حکم دیا ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ کسی صفت ربوبیت کے ساتھ ہم آپ کو موصوف نہ کریں اللہ تعالیٰ امام بوصیری کو

جزائے خیر دے انھوں نے کیا اچھا فرمایا ہے۔

دع ما ادعتہ النصاری فی نبیھم   واحکم بما شئت مدحا فیہ واحتکم

ترجمہ: نصاریٰ نے جو اپنے نبی کے بارے میں دعویٰ کیا اُس کو چھوڑ کر جو چاہو آنحضرت کی مدح میں کہو

تعظیم رسول ﷺ

پس صفات ربوبیت کے سوا اور کسی طریقہ سے آپ کی تعظیم میں کچھ بھی کفر و شرک نہیں بلکہ یہ تو اعظم طاعات وقربات ہے۔ یوں ہی اُن سب کی تعظیم جن کی عظمت اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے مثلاً انبیا مرسلین صلوات وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین اور ملائکہ وصدیقین وشہدا وصالحین۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (جو شخص معظمات الٰہی کی تعظیم کرے گا تو یہ تقویٰ قلوب میں سے ہے) اور مَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهِ (اور جو شخص حرمات الٰہی کی تعظیم کرے گا تو اللہ کے نزدیک اُس کے لیے بہتر ہے)۔

منجملہ تعظیم نبی ﷺ سے آپ کی شب ولادت میں خوشی کرنا، مولد شریف پڑھنا، ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا اور کھانا کھلانا ہے اور اس کے علاوہ جو اچھے کام عادتاً کیے جاتے ہیں وہ سب آنحضرت ﷺ کی تعظیم میں داخل ہیں۔

مسئلہ میلاد شریف اور اُس کے متعلقات میں مستقل تصانیف موجود ہیں اور بہت سے علما نے اس کی طرف توجہ کر کے تصنیفات وتالیف کر ڈالی ہیں جو دلائل وبراہین سے پُر ہیں، لہٰذا ہم کو طول کی حاجت نہیں۔

منجملہ معظمات کے کعبہ معظمہ، حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کی تعظیم کا حکم دیا ہے کہ کعبہ کا طواف کریں اور رکن یمانی کو مس کریں اور حجر اسود کو بوسہ دیں، مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھیں اور مستجار، باب کعبہ، ملتزم ومیزاب کے پاس دعا مانگیں جس طرح کہ سلف وخلف کی عادت رہی ہے اور وہ سب اس سے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے ہیں کسی دوسرے کی تاثیر یا نفع وضرر کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح اوپر مذکور ہوا جو شخص

کسی مخلوق کو باری سبحانہٗ کا شریک سمجھے گا ذات یا صفات یا افعال میں تو وہ مشرک ہے جیسے کہ مشرکین بتوں کی الوہیت واستحقاق عبادت کا اعتقاد رکھتے تھے اور جو رسول اللہ ﷺ کے مرتبہ میں کچھ کمی سمجھے گا وہ گنہگار یا کافر ہے اور جو انواع تعظیم سے آپ کی تعظیم کرے گا مگر کسی صفت ربوبیت سے موصوف نہ کرے گا وہ حق پر ہے اور جب مسلمانوں کے کلام میں کسی چیز کی نسبت غیر خدا کی طرف پائی جائے تو اُس کا مجازعقلی پر محمول کرنا واجب ہے کسی مسلمان کو کافر نہیں کہہ سکتے کیونکہ مجاز عقلی قرآن وحدیث میں مستعمل ہے۔

قرآن وحدیث میں مجاز عقلی کا ورود

چنانچہ قرآن شریف میں ہے وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا (جب مسلمانوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ اُن کے ایمان کو زیادہ کر دیتی ہیں) یہاں آیات کی طرف زیادتی کی نسبت مجاز عقلی ہے کہ وہ زیادتی کا سبب عادی ہیں اور حقیقتاً ایمان کا زیادہ کرنے والا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ ہے اور ارشاد ہوتا ہے یَوْماً یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا (وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا یعنی روز قیامت) یہاں بھی دن کی طرف بوڑھا کرنے کی نسبت مجاز عقلی ہے کیونکہ وہ تو اس امر کا وقت ہے اور ایسا کر دینے والا حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہے۔ یوں ہی ولا یغوث و یعوق ونسراً وقد اضلوا کثیرا میں گمراہ کر دینے کی نسبت بتوں کی طرف مجاز عقلی ہے کیونکہ وہ گمراہی کا سبب ہیں اور ہدایت وگمراہی حقیقتاً اللہ وحدہ لاشریک کی جانب سے ہے۔ اسی طرح فرعون کا جو قول نقل کیا گیا ہے یَا ھَامَانُ ابْنِ لِی صرحاً (اے ہامان میرے لیے ایک ستون بنا دے) اس میں بنا کی نسبت ہامان کی طرف مجاز عقلی ہے اس لیے کہ وہ تو سبب اور حکم دینے والا ہے خود بنانے والا نہیں بلکہ بنانے والے راج مزدور وغیرہ ہیں۔

احادیث نبویہ میں بھی مجاز عقلی بہت واقع ہوئے ہیں جو واقف کار پر ظاہر ہے منجملہ اُن کے حدیث سابق ہے کہ لوگ قیامت کے دن حضرت آدم سے استغاثہ کریں گے کیونکہ حضرت آدم کا فریاد کو پہنچنا مجازاً ہے حقیقتاً تو اللہ تعالیٰ مغیث ہے۔ باقی رہا کلام عرب تو اس میں تو بے شمار مجاز عقلی ہے مثلاً انبت الربیع البقل میں ربیع یعنی بارش کو ساگ کا جمانے والا بتایا حالانکہ حقیقتاً جمانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ پس جس وقت کوئی عام شخص کہتا ہے کہ نبی ﷺ نے مجھ کو نفع پہنچایا یا میری مدد کی

وغیرہ وغیرہ تو وہ مجازی نسبت مراد لیتا ہے اور اُس پر قرینہ یہ ہے کہ وہ مسلمان وموحد ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی تاثیر کا معتقد نہیں۔ تو ان مانعین توسل کا اس قسم کی باتوں کو شرک ٹھہرانا محض جہالت ہے اور عام موحدین کو دھوکہ میں ڈالنا ہے۔ تمام علما نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ جب ایسی نسبت موحد سے صادر ہو تو مجاز پر محمول کی جائے اور اس کے لیے توحید قرینہ کافی ہے اس واسطے کہ اعتقاد صحیح تو اہل سنت وجماعت ہی کا ہے اور اُن کا اعتقاد یہ ہے کہ بندوں کا اور اُن کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اُس کے سوا نہ کسی زندہ کی کچھ تاثیر ہے نہ مردہ کی، تو یہ اعتقاد خالص توحید ہے، بخلاف اُس کے جو اس کے خلاف اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ شرک میں مبتلا ہو جائے گا اور زندہ مردہ میں فرق بتانا جیسا کہ ان منکرین توسل کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے گویا وہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق اعتقاد کرتے ہیں تو یہ مذہب باطل ہے اور ان کے اس اعتقاد کی دلیل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں جب زندہ شخص کو پکارا جائے اور اس سے وہ طلب کی جائے جس پر وہ قادر ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن مردہ تو کسی چیز پر قادر ہی نہیں مگر اہل سنت (کثرھم اللہ تعالیٰ) کہتے ہیں کہ زندہ کسی چیز پر قادر ہے نہ مردہ بلکہ قادر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ کا باعتبار زندہ ہونے کے کسب ظاہر ہے اور باعتبار تبرک بنام نبی ﷺ وغیرہ اخیار کے اور اُن کو شفیع بنانے کے کسب باطنی ہے۔ بندوں اور اُن کے افعال کا خالق تو اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔

توسل کے دلائل

اگرچہ صحت توسل پر بہت سے دلائل بیان ہو چکے ہیں لیکن ان کے علاوہ اور دلیلیں ذکر کر دینے میں کچھ حرج نہیں۔ علامہ سید سمہودی نے خلاصۃ الوفا میں ذکر کیا ہے کہ ''بعد وفات نبی ﷺ سے توسل صحیح ہونے پر ایک دلیل وہ حدیث ہے جسے دارمی نے اپنی صحیح میں ابی الجوزا سے روایت کیا ہے کہ اہل مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہوئے تو اُنھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی آپ نے فرمایا ''رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے مقابل میں آسمان کی طرف ایک روشن دان کرو کہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان میں چھت نہ رہے'' چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا تو اس قدر مینھ برسا کہ خوب گھاس اُگی اور اونٹ اس قدر تندرست ہو گئے کہ چربی پھوٹنے لگی، اس لیے اُس سال کا نام عام الفتق ہو گیا۔ علامہ مراغی فرماتے ہیں کہ قحط کے وقت طاق کھول دینا

اہل مدینہ کی عادت ہے۔ قبۂ حجرہ مطہرہ کے نیچے سوراخ کھول دیتے ہیں اگرچہ قبر شریف و آسمان کے درمیان چھت حائل ہو۔ علامہ مراغی کا یہ کلام ذکر کر کے سید سمہودی فرماتے ہیں کہ اب اہل مدینہ کی عادت یہ ہے کہ چہرۂ شریف کے مقابل جو دروازہ ہے اُسے کھول دیتے ہیں اور اس سے مقصود یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دربار الٰہی میں وسیلہ و شفیع بنایا جائے کیونکہ عنداللہ آپ کی قدر و منزلت رفیع ہے اور آنحضرت ﷺ کے جاہ و برکت سے توسل و تشفع مرسلین و سلف صالحین کی سنت و سیرت ہے۔

حضرت عتبی کا واقعہ

اور بہت سے علمائے مذاہب اربعہ نے کتب مناسک میں زیارت نبی ﷺ کے موقع پر ذکر کیا ہے کہ زیارت کرنے والے کو مسنون ہے کہ قبر شریف کی طرف منہ کر کے مغفرت ذنوب و قضائے حاجات میں آنحضرت ﷺ سے توسل و تشفع کرے اور اُس کا کہنا بہت اچھا ہے جو عتبی و سفیان بن عُیَیْنہ سے مروی ہے۔ یہ دونوں بزرگ امام شافعی کے مشائخ میں سے ہیں، عتبی فرماتے ہیں کہ میں قبر شریف کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو ایک اعرابی نے آکر کہا ''السلام علیک یا رسول اللہ میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الخ اور میں اپنے گناہ سے توبہ کر کے آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں تا کہ رب عز وجل سے میری شفاعت کریں'' پھر رو کر پڑھنے لگا:

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ فطاب من طیبھن القاع والاکم

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

ترجمہ: اے اُن سب لوگوں سے افضل جن کی ہڈیاں جنگل میں دفن کی گئیں تو اُن کی خوشبو سے تمام جنگل معطر ہو گیا۔ میری جان اُس قبر پر قربان جس میں آپ تشریف رکھتے ہیں اُس میں عفت اور جود و کرم ہے۔

پھر وہ استغفار کر کے چلا گیا تو مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور میں نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ ''اے عتبی اُس اعرابی کو جا کر بشارت دو کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی مغفرت کر دی'' میں اُس کے پیچھے نکل کر گیا تو اُسے نہ پایا۔

اس واقعہ میں محل استدلال خواب نہیں ہے کہ اس سے احکام ثابت نہیں ہوتے کیونکہ دیکھنے والے کو اشتباہ ممکن ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مذکور ہوا بلکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ علما نے مناسک میں اس کے استحباب کا ذکر کیا ہے اور اُن کے اس قول میں ''کہ ایک روایت میں اس طرح ہے اور ایک روایت میں اس طرح'' منافات نہیں ہے کیونکہ احتمال ہے کہ روای نے اس حدیث کی روایت بالمعنی کی ہو تو کبھی یا خیر الرسل سے تعبیر کر دی اور کبھی یا رسول اللہ سے۔ علی ہذا القیاس اس قسم کی دیگر روایات علامہ ابن حجر جوہر منظم میں ذکر فرماتے ہیں۔ بعض حفاظ نے ابی سعید سمعانی سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دفن سے تین دن بعد ایک اعرابی نے آکر اپنے آپ کو قبر شریف علی صاحبہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس گرا دیا اور سر پر خاک ڈال کر کہنے لگا ''یا رسول اللہ آپ نے جو فرمایا ہم نے سنا اور آپ نے جو اللہ تعالیٰ سے یاد کیا اُس کو ہم نے آپ سے یاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے جو وحی آپ پر نازل کی اُس میں یہ ارشاد بھی تھا کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الخ تو میں اپنے نفس پر ظلم کر کے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوا آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں''۔ پس قبر شریف میں سے آواز آئی کہ تیری مغفرت کر دی گئی۔ یہی روایت ایک دوسرے طریقہ سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو روایت سمعانی کی مؤید ہے اور اس کی مؤید وہ حدیث ہے جو بطریق صحیح آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ ''میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم مجھ سے باتیں کرتے ہو اور میں تم سے اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہے کہ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، نیکی دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور برائی دیکھتا ہوں تو تمہارے واسطے استغفار کرتا ہوں''۔ اور وہ امر بھی اس کی تائید کرتا ہے جسے علما نے آداب زیارت میں ذکر کیا ہے کہ زیارت کرنے والے کو مستحب ہے کہ اُس مقام شریف میں تجدید توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اس کو توبہ نصوح بنا دے اور یہ آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا الخ پڑھ کر آنحضرت ﷺ کو دربار الٰہی میں شفیع بنائے کہ توبہ قبول ہو جائے اور استغفار اور تضرع کی کثرت کرے اور کہے:

نَحنُ وَفْدُکَ یَا رسول اللّٰہ وزوّارکَ جئناکَ لقضاءِ حقِّکَ

والتبرک بزیارتک والاستشفاع بک مما اثقل ظهورنا واظلم قلوبنا فلیس لنا یا رسول اللّٰہ شفیعٌ غیرک نؤمّلهٗ ولا رَجَآءَ غَیْرَ بابِکَ نَصِلُهٗ فاستغفرلنا واشفع لنا عند ربک واساله ان یمن علینا بسائر ظلماتنا ویحشرنا فی زُمرَةِ عِبادِہ الصالحین والعلماء العاملین.

ترجمہ: یارسول اللہ ہم آپ کا گروہ اور زیارت کرنے والے ہیں آپ کا حق ادا کرنے اور آپ کی زیارت سے برکت لینے اور گناہوں (کی مغفرت) میں آپ کو شفیع بنانے کے لیے حاضر ہوئے ہیں جنھوں نے ہماری پیٹھوں کو گراں اور دل کو تاریک کر دیا ہے۔ یارسول اللہ سوا آپ کے ہمارا کوئی شفیع نہیں جس سے ہم امید رکھیں اور نہ سوا آپ کے آستانہ کے ہماری کوئی رجا ہے جسے وسیلہ بنائیں پس آپ ہمارے لیے استغفار کیجئے اور پروردگار کے یہاں ہماری شفاعت فرمایئے اور اس سے دعا کیجیے کہ وہ ہماری تمام حاجات پوری کر کے ہم پر احسان کرے اور اپنے عبادِ صالحین وعلما عاملین کے زمرہ میں ہمارا حشر کرے

جوہر منظم میں یہ بھی ہے کہ ایک اعرابی نے قبر شریف کے سامنے کھڑے ہو کر کہا کہ ''اے اللہ تعالیٰ یہ تیرے حبیب ہیں اور میں تیرا بندہ ہوں اور شیطان تیرا دشمن ہے پس اگر تو میری مغفرت فرمادے گا جب تو تیرے حبیب خوش ہوں گے اور میں کامیاب ہو جاؤں گا اور تیرا دشمن رنجیدہ ہوگا اور اگر تو میری مغفرت نہ کرے گا تو تیرے حبیب رنجیدہ ہوں گے اور تیرا دشمن خوش ہوگا اور تیرا بندہ ہلاک ہو جائے گا اور اے رب تو اس سے برتر ہے کہ اپنے حبیب کو رنجیدہ اور دشمن کو خوش اور بندے کو ہلاک کرے، اے اللہ عرب کا جب کوئی سردار مر جاتا ہے تو وہ اس کی قبر پر غلام آزاد کرتے ہیں اور یہ تمام عالم کے سردار ہیں پس اے ارحم الراحمین مجھے ان کی قبر پر آزاد کر دے'' تو بعض حاضرین نے اُس سے کہا کہ اے عربی بھائی! اس اچھے سوال کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے تیری مغفرت فرمادی۔

قبر انور کی طرف رخ کر کے دعا مانگنا

علمائے مناسک نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ قبر شریف کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا قبلہ کی طرف

منہ کرنے سے افضل ہے جیسا کہ علامہ محقق کمال ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ ''قبر شریف کی جانب منہ کرنا قبلہ کی جانب منہ کرنے سے افضل ہے اور یہ جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا افضل ہے تو یہ نقل غیر صحیح ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ نے خود اپنی مسند میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ قبر مکرم کی طرف منہ اور قبلہ کی جانب پیٹھ کرنا سنت ہے'' اور علامہ ابن جماعہ نے تصریح میں ابن الہمام پر سبقت کی ہے کہ اُنھوں نے قبر شریف کی طرف منہ کرنے کا استحباب حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے اور کرمانی کے اس قول کا کہ ''قبلہ کی جانب منہ کرے'' رَدّ کیا ہے کہ یہ کچھ معتبر نہیں۔ پھر جوہر منظم میں ہے کہ قبر شریف کی طرف منہ کرنے پر یہ امر بھی دلیل ہے کہ ہم اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ قبر میں زندہ ہیں، زائر کو جانتے ہیں اور آپ جب دنیا میں تشریف رکھتے تھے تو زیارت کرنے والے کو آپ کی طرف منہ کرنا اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا ہی پڑتا تھا، پس قبر شریف میں ہونے کے وقت بھی آپ کی زیارت یوں ہی ہے اور جب ہم نے یہ اتفاق کر لیا کہ مسجد حرام میں جو مدرس قبلہ کی جانب منہ کر کے بیٹھتا ہے طالب علم اُسی کی طرف منہ کریں اور قبلہ کی جانب پشت کریں تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا حال ہونا چاہیے، آپ تو قطعاً اس کے زیادہ شایاں ہیں اور امام مالک نے خلیفہ منصور سے جو ارشاد فرمایا تھا وہ ذکر ہو چکا ہے کہ ''تم آنحضرت ﷺ کی طرف سے منہ کیوں پھیرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے اور تمہارے دادا حضرت آدم کا اللہ تک وسیلہ ہیں اور انہی کی طرف منہ کرو اور ان کو شفیع بناؤ''۔

مذاہب اربعہ اور مسئلہ زیارت

علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں تمام علمائے مالکیہ نے قبر کے پاس اُس کی جانب منہ کر کے اور قبلہ کی طرف پشت کر کے دعا مانگنے کو مستحب لکھا ہے، پھر یہی مذہب حضرت امام ابوحنیفہ و امام شافعی و جمہور کا نقل کیا ہے اور امام احمد کے مذہب میں اختلاف ہے لیکن اُس مذہب کے محققین علما کے نزدیک راجح باقی مذہب کی طرح قبر شریف کی طرف منہ کرنا ہی ہے۔ اسی طرح محقق حنابلہ کے نزدیک توسل کا استحباب مرجح اہل مذاہب ثلثہ کے موافق ہے امام سبکی نے شفاء السقام میں چاروں مذہب والوں کی تصریحات اس کے بارے میں اچھی طرح نقل کی

ہیں اور شیخ طاہر سنبل نے اپنے ایک رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ علمائے حنابلہ میں سے اس کا بیان امام ابوعبداللہ سامری نے مستوعب میں کیا ہے اور مکہ کے مفتی حنابلہ شیخ محمد بن عبداللہ بن حمید سے اس مسئلہ میں فتویٰ لیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ حنابلہ کے یہاں راجح دعا کے وقت قبر شریف کی طرف منہ کرنا اور توسل کا مستحب ہونا ہے اور یہ حنابلہ کی بہت سی معتبر کتابوں میں مذکور ہے مثلاً (۱) شرح مناسک المقنع تصنیف امام شمس الدین بن مفلح صاحب الفروع (۲) شرح الاقناع یہ محرر مذہب حنبلی شیخ منصور بہوتی کی تصنیف ہے۔ (۳) شرح غایۃ المنتہی (۴) منسک شیخ سلیمان بن علی جد شیخ محمد بن عبدالوہاب صاحب الدعوت۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مؤلفین نے اس کا ذکر کیا ہے اور بعضوں نے عتبی کے مشہور قصہ کو بھی بیان کیا ہے اور وہ حدیث جس میں اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ الخ اُسے ترمذی نے روایت کر کے صحیح بتایا ہے اور نسائی اور بیہقی نے بھی۔ پھر مفتی مذکور نے بیان کیا کہ جب یہ ثابت ہو گیا تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ حنابلہ کے نزدیک معتمد وہی ہے جو سائل نے ذکر کیا ہے یعنی بوقت دعا قبر کی طرف منہ کرنا اور توسل کا مستحب اور اس کا منکر امام احمد کے مذہب سے جاہل ہے اور آلوسی نے جو اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ بعضوں نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ممانعت توسل نقل کی ہے تو یہ نقل غیر صحیح ہے اس لیے کہ امام صاحب سے اُن کے کسی مذہب والے نے اسے نقل نہیں کیا حالانکہ وہ اس سے خوب واقف ہیں بلکہ احناف کی کتابیں استحباب توسل سے بھری پڑی ہیں اور مخالف کا نقل کرنا غیر معتبر ہے پس تم اس سے دھوکہ نہ کھانا۔

توسل وزیارت کے متعلق ایمان افروز واقعات

مواہب لدنیہ مصنفہ امام قسطلانی میں ہے کہ ”ایک اعرابی نے قبر شریف کے سامنے کھڑے ہو کر کہا اے اللہ تو نے غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ تیرے حبیب ہیں اور میں تیرا بندہ ہوں، پس مجھے اپنے حبیب کی قبر پر دوزخ سے آزاد کر دے، تو ایک ہاتف نے آواز دی کہ اے شخص تو صرف اپنی آزادی کا سوال کرتا ہے تمام مسلمانوں کی آزادی کا سوال کیوں نہ کیا؟ جا میں نے تجھ کو آزاد کیا“۔ پھر علامہ قسطلانی نے ایک مشہور شعر لکھا ہے اور شارح زرقانی نے دوسرا شعر۔ وہ دونوں یہ ہیں ۔

ان الملوک اذا شابت عبیدھم — فی رقھم اعتقوھم عتق احرار
وانت یا سیدی اولی بذا کرما — قد شبت فی الرق فاعتقنی من النار

ترجمہ: بادشاہوں کے غلام جب حالت غلامی میں بوڑھے ہو جاتے ہیں تو وہ ان کو آزاد کر دیتے ہیں اور تو تو اے میرے مولا اس سے زیادہ کرم کا شایان ہے اور حالت غلامی میں بوڑھا ہو گیا ہوں پس مجھ کو دوزخ سے آزاد کر دے۔

پھر مواہب میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ ”حضرت حاتم اصم نے آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کے پاس کھڑے ہو کر کہا پروردگار ہم نے تیرے نبی ﷺ کے مزار کی زیارت کی ہے ہمیں ناکام واپس نہ کرنا تو آواز آئی کہ اے شخص ہم نے تجھے اپنے حبیب کی زیارت قبر کی اجازت دی تھی تو تجھ کو قبول بھی کر لیا تھا جا تیری اور تیرے ساتھ والوں کی مغفرت ہو گئی“۔ ابن ابی فدیک کہتے ہیں میں نے بعض علما صلحا کو یہ کہتے سنا ہے کہ ”جو شخص قبر نبی ﷺ کے پاس کھڑے ہو کر آیت اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ علی النبی یٰاَیُّھَا الذین اٰمنوا صَلُّوا علیہ وَ سلموا تسلیما تلاوت کر کے صلی اللہ علیک یا محمد ستر مرتبہ کہے گا اُسے فرشتہ آواز دے گا صلی اللہ علیک یا فلان (اے فلاں اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمتیں نازل فرمائے) اور اس کی کوئی حاجت بند نہ رہے گی۔ شیخ زین الدین مراغی وغیرہ فرماتے ہیں کہ یا محمد کی بجائے یا رسول اللہ کہنا اولیٰ ہے کیونکہ حیات و وفات دونوں حالتوں میں آپ کا نام لے کر پکارنا منع ہے اور فدیک اتباع تابعین و ائمہ ثقات مشہورین میں سے ہیں، صحیحین (بخاری و مسلم) وغیرہ اور کتب سنن میں ان سے روایت کی گئی ہے۔ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں ”اُن کا نام محمد بن اسمٰعیل بن مسلم الدیلمی ہے، سنہ دو سو میں اُن کی وفات ہوئی ہے“ اور یہی روایت جو مواہب میں ابن ابی فدیک سے ہے بیہقی نے بھی بیان کی ہے۔

شرح مواہب زرقانی میں ہے کہ دعا مانگنے والا جب کہے گا:

اللھم انی استشفع الیک بنبیک یا نبی الرحمۃ اشفع لی عند ربک

اے اللہ میں تیرے پاس تیرے نبی کو شفیع لاتا ہوں اے نبی رحمت اپنے رب سے میری شفاعت کیجیے

پڑھ کر لوگوں کے لیے دعا فرمائی اور جب تک مینھ نہ برسنے لگا دعا مانگتے ہی رہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب اعرابی نے آکر نبی ﷺ سے قحط کی شکایت کی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور مینھ برسنے لگا آپ نے فرمایا ''اگر ابو طالب ہمارے چچا زندہ ہوتے تو اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں، اُن کا قول ہمیں کون سنائے گا؟'' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ شاید آپ اُن کا یہ قول مراد لیتے ہیں:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامیٰ عصمة للارامل

ترجمہ: گورے رنگ والا جس کے چہرہ کے وسیلہ سے مینھ طلب کیا جاتا ہے جو یتیموں کا ماوا اور بیواؤں کا ملجا ہے

تو آنحضرت ﷺ کا چہرہ کھل گیا اور آپ نے شعر پڑھنے سے منع نہیں کیا اور نہ یستسقی الغمام بوجهه کہنے سے اور اگر حرام یا شرک ہوتا تو آپ ضرور منع فرماتے اور اس کے پڑھنے کی خواہش نہ کرتے اور ابو طالب نے اپنے قصیدہ میں جو انھوں نے آنحضرت ﷺ کی مدح میں لکھا ہے، یہ شعر اس وجہ سے لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش پر قحط پڑا تھا تو ابو طالب نے اُن کے لیے بارش کی دعا کی اور نبی ﷺ سے توسل کیا اور نبی ﷺ اُس وقت کم عمر تھے تو بادل سے خوب مینھ برسا پس ابو طالب نے یہ قصیدہ لکھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیح طریقہ پر مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ''اے عیسیٰ محمد ﷺ پر ایمان لاؤ اور اپنی امت کو حکم دو کہ جو کوئی اُن کو پائے تو اُن پر ایمان لائے، اگر محمد نہ ہوتے تو میں جنت و دوزخ کو پیدا نہ کرتا اور میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا پس اُس پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھ دیا تو وہ ٹھہر گیا''۔ جوہر منظم میں فرمایا کہ جب آنحضرت ﷺ کی یہ فضیلت و خصوصیت ہے تو کیا اُن سے توسل نہ کیا جائے گا؟ قسطلانی نے شرح بخاری میں کعب احبار سے روایت کی ہے کہ ''جب بنی اسرائیل میں قحط پڑتا تو وہ اپنے نبی کے اہل بیت سے توسل کرتے'' اس سے معلوم ہوا کہ توسل امم سابقہ تک میں مشروع ہے۔ سید سمہودی خلاصۃ الوفا میں لکھتے ہیں یہ عام طور پر رواج ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے پاس ایسے شخص کے توسل سے جاتا ہے جو اس کے نزدیک ذی عزت ہے تو

تو اس کی دعا مقبول ہوگی۔

پس ان نصوص سے جو نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب سے مروی ہیں تم پر واضح ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ سے توسل اور آپ کی زیارت اور آپ سے طلب شفاعت قطعاً بلا شک و شبہ ثابت ہے اور اعظم قربات میں سے ہے اور آپ سے توسل آپ کی پیدائش سے قبل اور بحالت حیات و بعد وفات ہر وقت واقع ہے اور بعد بعث عرصات قیامت میں بھی آپ سے توسل ہوگا۔ مواہب میں ہے، اللہ تعالیٰ ابن جابر پر رحم فرمائے کہ انھوں نے کہا ہے:

بـه قد اجاب اللّٰه ادم اذ دعا و نجی فی بطن السفینة نوحٌ

وما ضرت النار الخلیل لنورہٖ ومن اجلـه نـال الفداء ذبیح

''ترجمہ: آنحضرت ﷺ ہی کے سبب سے حضرت آدم کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول کی اور حضرت نوح کی کشتی میں نجات ملی اور اُنھیں کے نور کی وجہ سے حضرت خلیل کو آگ نے ضرر نہ پہنچایا اور حضرت ذبیح (اسمٰعیل) نے فدیہ پایا۔

پھر فرماتے ہیں کہ شیخ ابی عبداللہ بن النعمان کی تصنیف کتاب ''مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام'' میں اس قسم کی کافی بحث ہے۔ اس کے بعد مواہب میں بہت سے برکات کا ذکر کیا ہے جو اُن کو توسل نبی ﷺ کی برکت سے حاصل ہوئی۔ بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی آنحضرت ﷺ کے پاس طلب بارش کے لیے آیا اور چند اشعار پڑھے جن میں سے اول یہ تھا:

اتیناک والعذراء یدمی لبانها وقد شغلت ام الصبی عن الطفل

ترجمہ: ہم آپ کے پاس اس حالت میں آئے ہیں کہ ماں بچے سے بے پرواہ ہے۔

اور آخر یہ تھا:

ولیس لنا الا الیک فرارنا وانی فرار الخلق الّا الی الرسل

ترجمہ: سوا آپ کے ہم کس کی طرف جائیں خلق کا مفر رسولوں کی طرف ہی ہے

تو آنحضرت ﷺ نے اُس کو منع نہیں فرمایا بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اعرابی نے یہ اشعار پڑھے تو آنحضرت ﷺ چادر مبارک کھینچتے ہوئے منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ

وہ اس کے سبب سے اُس کی عزت کرتا اور حاجت برلاتا ہے اور کبھی ذی جاہ کے وسیلہ سے اُس کی طرف رسائی ہوتی ہے اور جب اعمال صالحہ سے توسل جائز ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں اُن تین شخصوں کا قصہ لکھا ہے (جنھوں نے غار میں پناہ لی تھی اور اُس کا دروازہ بند ہوگیا تھا، پس اُن میں سے ہر ایک نے اپنے سب سے اچھے عمل کو اللہ تعالیٰ کے یہاں وسیلہ بنایا تھا تو وہ پتھر جس نے غار کا دروازہ بند کر دیا تھا، ہٹ گیا تھا) تو آنحضرت ﷺ سے توسل بدرجۂ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ میں نبوت اور بے شمار فضائل موجود ہیں خواہ توسل آپ کی حیات میں ہو یا بعد وفات تو مومن جب آنحضرت ﷺ سے توسل کرتا ہے تو آپ کی نبوت سے کرتا ہے جو تمام کمالات کو جامع ہے۔

توسل کے جواز پر مزید دلیلیں

یہ منکرین توسل اعمال صالحہ سے توسل جائز بتاتے ہیں باوجود ے کہ وہ اعراض (قائم بالغیر) ہیں تو ذوات فاضلہ سے بدرجۂ اولیٰ جائز ہونا چاہیے کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کیا اور اگر ہم اعراض سے مخصوص مان بھی لیں تو کہیں گے کہ جب اعمال صالحہ سے توسل جائز ہے تو آنحضرت ﷺ سے باعتبار نبوت و رسالت وغیرہ اُن کمالات کے کیوں نہیں جائز جو ہر کمال پر فائق اور حال و مآل میں ہر عمل صالح سے بڑھ کر ہیں اور پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ احادیث سے بھی ثابت ہے۔ وعلی ہذا القیاس دیگر انبیا و مرسلین، اولیاے صالحین میں بھی طہارت قدسیہ و محبت رب البریہ ہے جو اُن کے مقرب ہونے کے سبب سے ہے پس اللہ تعالیٰ اُن کے توسل سے مسلمانوں کی حاجتیں پوری کرے گا اور توسل ادب کامل اور ایسے الفاظ کے اجتناب سے ہونا چاہیے جو تاثیر غیر خدا کے موہم ہیں۔

توسل کے جواز کی دلیلوں میں ایک دلیل حضرت سودا ابن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ ہے جسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اُس میں یہ ہے کہ سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنا قصیدہ پڑھا جس میں یہ اشعار تھے:

واشھد انّ اللّٰـــہ لا ربَّ غیرہ   وانک مامون علی کل غائب

وانک ادنی المرسلین وسیلۃ   الی اللّٰہ یا ابن الاکرمین الاطائب

فمرنا بما یاتیک یا خیر مرسل   وان کان فیما فیہ شیب الذوائب

وکن لی شفیعاً یوم لا ذو شفاعۃ   بمغن فتیلا عن سواد ابن قارب

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ ہر غائب کے محافظ ہیں اور اے پاک وصاف لوگوں کے صاحبزادے آپ اللہ تعالیٰ تک تمام مرسلین سے زیادہ قریب وسیلہ ہیں۔ آپ ہم کو اے بہترین مرسلین اُس کا حکم دیجیے جو آپ کے پاس آتا ہے اگر چہ اُس سے بال سپید پڑ جائیں اور اُس دن میری شفاعت کیجیے جب کوئی شفیع سواد بن قارب کو ذرہ برابر بھی فائدہ پہنچانے والا نہیں۔

تو رسول اللہ ﷺ نے اُن کو اس قول سے منع نہ فرمایا کہ ادنی المرسلین وسیلۃً یا کن لی شفیعاً

توسل کے جواز کی ایک دلیل آنحضرت کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مرثیہ ہے جو انھوں نے آنحضرت ﷺ کی وفات پر لکھا تھا اُس میں فرماتی ہیں:

الا یا رسول اللّٰہ انت رجاءُ نا   وَکُنتَ بِنا برًّا ولم تک جافِیاً

ترجمہ: یارسول اللہ آپ ہمارے امید ہیں آپ ہمارے ساتھ نیکی کرنے والے تھے جفا کرنے والے نہ تھے۔

اس میں بعد وفات آپ کو ندا بھی ہے اور توسل بھی۔ اس مرثیہ کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سنا اور کسی نے اُن کو اس سے منع نہ کیا۔

علامہ ابن حجر اپنی کتاب ''الخیرات الحسان فی مناقب الامام ابی حنیفۃ النعمان'' کی پچیسویں فصل میں فرماتے ہیں کہ ''جن دنوں حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغداد میں تھے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کیا کرتے تھے، اُن کی قبر شریف کی زیارت کو جاتے تھے اور سلام کرتے تھے اور پھر اُن کو دربار الٰہی میں قضاے حاجات کا وسیلہ بناتے تھے''۔ یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ سے توسل کیا یہاں تک کہ اُن کے صاحبزادے عبداللہ نے تعجب کیا تو فرمایا امام شافعی گویا آدمیوں کے لیے آفتاب ہیں اور بدن کے واسطے عافیت۔ جب امام شافعی کو یہ خبر پہنچی کہ اہل مغرب حضرت امام مالک رضی

اللہ عنہ سے توسل کرتے ہیں تو اُنھوں نے منع نہیں کیا۔ امام ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی کی کوئی حاجت ہو اور وہ اُس کا پورا ہونا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس امام غزالی سے توسل کرے۔ علامہ ابن حجر اپنے کتاب ''الصواعق المحرقة لا خوان الضلال والزندقة'' میں لکھتے ہیں کہ ''امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اہل بیت نبوی سے توسل کیا:

ال النبی ذریعتی　　وهم الیه وسیلتی

ارجوا بهم اعطی غدا　　بیدی الیمین صیحفتی

ترجمہ: آل نبی آنحضرت تک رسائی کا میرے لیے وسیلہ وذریعہ ہیں مجھ کو ان کے سبب سے امید ہے کہ قیامت کو نامہ اعمال میرے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا

علامہ سید طاہر بن محمد بن ہاشم باعلوی اپنی کتاب ''مجمع الاحباب'' میں امام ابوعیسیٰ ترمذی صاحب سنن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ''اُنھوں نے خواب میں رب العزت کو دیکھا تو ایسی بات دریافت کی جس سے ایمان کی حفاظت ہو اور اُسی پر وفات ہو تو ارشاد ہوا کہ فجر کی سنتوں کے بعد فرضوں سے قبل یہ پڑھ لیا کرو:

الٰهی بحرمة الحسن واخیه وجدّه وبنیه وامه وابیه نجنی من الغم الذی انا فیه یا حی یا قیوم یا ذالجلال والاکرام اسالک ان تحیی قلبی بنور معرفتک یا الله یاالله یا ارحم الرّاحمین

ترجمہ: یا اللہ! حضرت حسن اور اُن کے بھائی اور دادا اور لڑکوں اور ماں اور باپ کے صدقہ میں مجھ کو اس غم سے نجات دے۔ جس میں میں ہوں۔ اے حی و قیوم ذوالجلال والاکرام میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے دل کو اپنے نور معرفت سے زندہ کردے اے اللہ اے ارحم الراحمین

پس امام ترمذی سنت فجر کے بعد اس کو ہمیشہ پڑھا کرتے تھے اور اپنے اصحاب کو اس کے التزام کا حکم دیتے تھے''۔ اگر توسل ممنوع ہوتا تو یہ امام (ترمذی) اُس کو نہ کرتے اور نہ اُس کا حکم دیتے اور ان کا فعل حجت ہے، جس کی اقتدا کی جاتی ہے۔

بلکہ توسل کا تو سلف وخلف میں کسی نے انکار نہیں کیا، اب یہ منکر پیدا ہوگئے ہیں۔ اذکار

امام نووی میں ہے کہ نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ فجر کی دو رکعتوں کے بعد کہے:

اَللّٰھم ربّ جبریل و میکائیل واسرافیل و محمد ﷺ اجرنی من النار.

اے جبریل ومیکائیل واسرافیل ومحمد ﷺ کے رب مجھ کو دوزخ سے نجات دے

علامہ ابن علان شرح اذکار میں لکھتے ہیں کہ انہیں (جبریل وغیرہ کو) خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا کہ قبول دعا میں ان سے توسل ہو ورنہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام مخلوقات کا رب ہے پس سمجھ لو کہ یہ توسل مشروع ہے۔ شرح حزب البحر للامام زروق میں بہت سے اخیار کا ذکر کر کے لکھا اللّٰھمّ انا نتوسل الیک بھم الخ (یعنی اے اللہ تعالیٰ ہم تجھ تک ان کو وسیلہ بناتے ہیں کیونکہ ان کو تجھ سے محبت تھی اور اُن کو تیری محبت اس وقت تک نہ ہوئی جب تک تو نے اُن سے محبت نہ رکھی تو وہ تیری محبت تک نہیں پہنچے پس ہمیں عافیت کاملہ شاملہ کے ساتھ اس کی تکمیل کرادے یہاں تک کے اے ارحم الراحمین ہم تیرے پاس حاضر ہو جائیں)

اور بعض عارفین کی دعا میں یہ الفاظ ہیں:

اَللّٰھُمَّ رب الكعبة وبانيها وفاطمة وابيها وبعلها وبنيها نور بصرى وبصيرتى و سرى وسريرتى

اے رب کعبہ اور اُس کے بانی اور حضرت فاطمہ اور اُن کے باپ اور شوہر و اولاد کے رب میری نگاہ اور بصیرت کو منور کردے

بعض عارفین فرماتے ہیں یہ دعا نور بصر کے لیے مجرب ہے، جو شخص سرمہ لگاتے وقت اس کو پڑھے گا اُس کی آنکھوں کی روشنی بڑھ جائے گی اور یہ اسباب عادیہ میں سے ہے موثر حقیقی تو اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو سیری کا سبب بنا دیا ہے اور طاعت کو سعادت وحصول درجات کا سبب بنا دیا، اسی طرح اخیار سے جن کو اللہ تعالیٰ نے عظمت دی ہے اور جن کی عظمت کا حکم دیا ہے توسل کو قضائے حاجت کا سبب بنا دیا ہے تو اس میں کفر وشرک کہاں سے آگیا؟

سواد اعظم کی اتباع واجب ہے

جو شخص سلف وخلف کے اذکار وادعیہ واوراد کو تلاش کرے گا تو توسل کے جاننے میں بہت

کچھ پائے گا اور میں نے اس بارے میں طول اس واسطے دیا کہ جسے اس میں شک ہو اس پر یہ امر اچھی طرح واضح ہو جائے کیونکہ اکثر منکرین توسل بہت سے لوگوں پر شبہ ڈالتے ہیں جس سے اُن کو اپنے اعتقاد باطل کی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں تو ممکن ہے کہ ان نصوص سے وہ شخص واقف ہو جائے جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ پس وہ ان شبہات کی طرف متوجہ نہ ہو اور اُن کے ابطال میں حجت قائم کرے۔ تو تم جمہور و سواد اعظم کا اتباع کرو ورنہ اللہ و رسول سے جدا اور طریقہ مومنین سے علیحدہ ہو جاؤ گے جس کا نتیجہ جہنم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا

اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے ہدایت کا راستہ واضح ہونے کے بعد، اور مسلمانوں کے راستے سے الگ راستے پر چلے، تو اس کو ہم اس کے راستہ پر چھوڑ دیں گے، اور اس کو دوزخ میں داخل کر دیں گے، اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''سواد اعظم کے ساتھ رہو اس لیے کہ جو بکری گلہ سے علیحدہ رہ جاتی ہے اُسی کو بھیڑیا کھا لیتا ہے'' اور فرماتے ہیں ''جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہوگا وہ اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دے گا''۔ علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب ''تلبیس ابلیس'' میں مفارقت سواد اعظم سے ڈراتے ہوئے بہت سی حدیثیں ذکر کی ہیں۔ ان میں ایک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جابیہ میں خطبہ پڑھا تو فرمایا ''جو شخص وسط جنت چاہے وہ جماعت کے ساتھ رہے اس لیے کہ شیطان ایک کے ساتھ ہے اور دو سے بہت دور ہے'' اور ان حدیثوں میں حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ''اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے جب کوئی شخص اُس سے علیحدہ رہ جاتا ہے تو شیطان اُس کو اچک لیتے ہیں جس طرح بھیڑیا اُس بکری کو اُچک لیتا ہے جو گلہ سے علیحدہ رہ جاتی ہے''، انہیں حدیثوں میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جس طرح بکریوں کا بھیڑیا دور رہ جانے والی بکری کو پکڑ لیتا ہے، پس تم گھاٹیوں سے بچے رہو اور جماعت عام و مسجد کو

لازم پکڑ لو'' ایک حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں ''دو ایک سے بہتر ہیں اور تین دو سے اور چار تین سے پس تم جماعت کے ساتھ رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ میری امت کو ہدایت ہی پر متفق کرے گا''۔

تو یہ منکرین توسل و زیارت جماعت و سواد اعظم سے علیحدہ ہو گئے اور بہت سی آیات قرآنی جو مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اُن کو اُن مسلمانوں پر ڈھال دیا جو زیارت و توسل کرتے ہیں، جس کے سبب سے اکثر امت، علما و صلحا، عباد و زہاد اور عوام کافر ٹھہر گئے اور کہہ دیا کہ ''یہ لوگ اُن ہی مشرکوں کی مثل ہیں جو کہتے تھے کہ ہم بتوں کی عبادت اس واسطے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں'' حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ مشرکین تو غیر خدا کی الوہیت و استحقاق عبادت کا اعتقاد رکھتے ہیں مگر کوئی مسلمان غیر خدا کی الوہیت و استحقاق عبادت کا اعتقاد نہیں رکھتا تو وہ مسلمانوں کو ان مشرکین کا مثل کیسے بتائے دیتے ہیں سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ.

مسئلہ شفاعت

ان منکرین توسل و زیارت کا اعتقاد یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ سے شفاعت طلب نہ کی جائے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اور يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ بغیر اجازت الٰہی کے کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا) اور طالب شفاعت کو یہ معلوم نہیں کہ آنحضرت کو اُس کی شفاعت کا اذن مل گیا ہے یا نہیں تو وہ کیسے آپ سے شفاعت چاہتا ہے''۔ مگر ان کی یہ دلیل اُن احادیث صحیحہ سے مردود و باطل ہے جو نبی ﷺ کو شفاعت مومنین کے حصول اذن میں صراحت سے وارد ہوئی ہیں، چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ جو شخص اذان کے بعد اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ الخ پڑھے گا اور جو بروز جمعہ آنحضرت ﷺ پر درود پڑھے گا اور جو قبر شریف کی زیارت کرے گا آنحضرت ﷺ اُس کی شفاعت فرمائیں گے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص فلاں کام کرے گا اُس کی شفاعت ہوگی جن کو ہم ذکر کریں تو کلام طویل ہو جائے گا۔ بہت سی احادیث میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے گنہگاران امت کی شفاعت کریں گے مثلاً ارشاد ہوتا ہے شفاعتی لاھل الکبائر من امتی (میری شفاعت میری امت کے بڑے

بڑے گناہ والوں کے لیے ہے) اور بہت سے مفسرین نے ولا یشفعون الا لمن ارتضی کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جو شخص ایمان پر مرجائے وہ من ارتضی میں داخل ہے تو آنحضرت ﷺ کی شفاعت میں شامل ہے۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ نبی ﷺ کو ہر اُس شخص کی شفاعت کا اذن ہے جو بحالت ایمان مرا ہے۔

غیراللہ کو پکارنے کا مسئلہ

ان منکرین کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ میت و جماد کو ندا کرنا کفر و شرک اور عبادت غیر اللہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے ''کہ ندا دعا ہے اور ہر دعا عبادت ہے بلکہ دعا عبادت کا مغز ہے''۔ مگر یہ دلیل ایک دھوکا ہے۔ جس سے بہت موحدین کی گمراہی لازم آتی ہے اور اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ ندا کو بھی دعا کہتے ہیں جیسے ارشاد الٰہی ہے لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا مگر اُسے عبادت نہیں کہتے تو ہر دعا عبادت نہ ہوئی اور اگر ہر ندا دعا اور ہر دعا عبادت ہو تو زندوں، مردوں حیوانات و جمادات سب کی ندا مطلقاً ممنوع ہو جائے گی حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ عبادت تو اُسی کی ندا ہے جس کی الوہیت و استحقاق عبادت کا اعتقاد ہو اور جس کے سامنے خضوع ہو پس شرک میں ڈالنے والا تو الوہیت یا تاثیر غیر خدا کا اعتقاد ہے باقی صرف اس شخص کی ندا جس کی الوہیت و تاثیر یا استحقاقِ عبادت کا اعتقاد نہ ہو یہ ہرگز عبادت نہیں اگر چہ وہ میت یا غائب یا جماد و پتھر وغیرہ بے جان چیز ہو اور احادیث کثیرہ میں اموات و جمادات کو ندا آئی ہے لہٰذا اُن کا یہ قول کہ ''ہر ندا دعا اور ہر دعا عبادت ہے'' علی الاطلاق و عموم غیر صحیح ہے اگر ایسا ہوتا تو زندہ مردہ سب کی ندا منع ہوتی اس لیے کہ اس بات میں دونوں یکساں ہیں کہ کسی چیز میں اُن کی تاثیر نہیں اور کوئی مسلمان غیر خدا کی الوہیت یا تاثیر کا اعتقاد نہیں رکھتا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ ''زندہ کی ندا اور اس سے کسی چیز کا طلب کرنا اس واسطے ہے کہ وہ اس چیز پر قادر ہے باقی مردہ اور جماد میں کسی کام کی قدرت نہیں''۔ تو ہم کہیں گے کہ تمہارا یہ اعتقاد فاسد و باطل ہے کیونکہ اہل سنت و جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ بندوں کا اور اُن کے افعال کا خالق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ بندہ کا صرف کسب ظاہری ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ اور فرمایا اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ تو اسباب میں زندہ، مردہ اور جماد سب برابر ہیں کہ کسی کا خلق و تاثیر نہیں، اللہ تعالیٰ ہی مؤثر ہے اور

عقیدۂ توحید میں خارج غیر خدا کی تاثیر یا الوہیت و استحقاق عبادت کا اعتقاد ہے۔ باقی صرف ندا میں بغیر اس اعتقاد کے کچھ ضرر نہیں۔

احادیث جن میں بغیر اعتقاد الوہیت و تاثیر کے اموات و جمادات کو ندا وارد ہے بہت ہیں منجملہ اُن کے اُس نابینا کا قصہ ہے جو عثمان بن حنیف سے مروی ہو چکی ہے۔ جس میں یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی ہے اور جس کو صحابہ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد استعمال کیا اور بلال بن الحرث کا قصہ بھی مذکور ہو چکا ہے کہ اُنھوں نے بھی قبر شریف پر جا کر عرض کیا یا رسول اللہ اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمایئے انھیں حدیثوں میں وہ احادیث ہیں جو زیارت قبور کے بارے میں وارد ہیں کہ اُن میں سے بہت میں ندا و خطاب ہے مثلاً:

السلام علیکم یا اھل القبور السلام علیکم اھل الدیار من المومنین وانا انشاء اللّٰہ بکم لاحقون

یہ بھی سابق میں ذکر ہو چکا ہے کہ سلف و خلف اہل مذاہب اربعہ نے زائر کے لیے یہ مستحب بتایا ہے کہ قبر شریف کے سامنے کہے:

یا رسول اللّٰہ انی جئتک مستغفراً من ذنبک مستشفعاً بک الی ربی

یا رسول اللہ میں آپ کے پاس اپنے گناہ سے استغفار کرتا اور آپ کو پروردگار کی طرف شفیع بناتا ہوا آیا ہوں

اور صورت ندا التحیات میں بھی ہے جو ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے کہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ اور حضرت بلال بن الحرث رضی اللہ عنہ سے بروایت صحیحہ ثابت ہے کہ اُنھوں نے عام القحط جسے عام الرمادہ بھی کہتے ہیں ایک بکری ذبح کی اور اُسے دبلا پایا تو کہنے لگے وامحمداہ وامحمداہ وامحمداہ اور یہ بھی صحیح طور پر ثابت ہے کہ جب اصحاب نبی ﷺ نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا ہے تو اس دن ان کا نعرہ یہ تھا وامحمداہ وامحمداہ۔ شفائے قاضی عیاض میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مرتبہ پیر سو گیا تو اُن سے کسی نے کہا جس شخص کی سب سے زیادہ آپ کو محبت ہو اُسے یاد کیجئے۔ آپ نے فرمایا وامحمداہ تو آپ کا پیر چلنے لگا۔

خطاب وندا جمادات سے بہت سی احادیث میں وارد ہے چنانچہ مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کسی جگہ اُترتے تو فرماتے یا ارض ربی وربک اللّٰہ (اے زمین میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے) اور فقہا نے آداب سفر میں بیان کیا ہے کہ جب مسافر کا جانور ایسے مقام پر بھاگ جائے جہاں کوئی انیس نہ ہو تو کہے یا عباداللّٰہ احبسوا (اللہ کے بندو پکڑلو) اور جب کوئی چیز گم ہو جائے یا مدد چاہے تو کہے یا عباداللّٰہ اعینونی یا اغیثونی (اے اللہ کے بندو میری مدد کرو) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے اور اس پر فقہا نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو ابن السنی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب کسی کا جانور جنگل میں بھاگ جائے تو ندا کرے یا عباداللّٰہ احبسوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں جو اُس کی حاجت پوری کردیتے ہیں۔ اور طبرانی نے روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب ایسی جگہ جہاں کوئی انیس نہ ہو کسی کی کوئی چیز جاتی رہے یا مدد چاہے تو کہے یا عباداللّٰہ اعینونی اس واسطے کہ اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جن کو تم نہیں دیکھتے۔ علامہ ''ابن حجر'' ایضاح مناسک کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ دعا مجرب ہے جیسا کہ حدیث مذکور کے راوی نے بیان کیا ہے اور ابوداؤد وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کرتے اور رات ہو جاتی تو فرماتے:

یا ارض ربی و ربک اللّٰہ اعوذ باللّٰہ من شرک وشرما فیک
وشرما خلق فیک وشرما یدبُ علیک اعوذ باللّٰہ من اسد واسود
من الحیة والعقرب ومن شرساکن البلاد والد وما ولد

ترجمہ: اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے میں تیرے شر اور جو تجھ میں ہے اُس سے پناہ مانگتا ہوں، میں شیر سے اور سانپ سے اور بچھو سے اور شہر کے رہنے والوں اور والد و اولادوں کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

فقہا نے ذکر کیا ہے کہ مسافر کو رات ہو جائے تو اس دعا کا پڑھنا مستحب ہے اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اور دارمی نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے

روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب پہلے دن چاند دیکھتے تو فرماتے ربی وربک اللّٰہ اور صحیح سند سے ثابت ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وفات رسول اللہ ﷺ کی خبر پہنچی تو آپ نے تشریف لاکر آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک کھولا اور جھک کر اُسے بوسہ دیا پھر رو کر کہا ''میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ حیات و وفات ہر وقت میں پاک رہے یا محمد پروردگار کے سامنے ہمارا ذکر کرنا اور ہم کو دل سے یاد رکھنا'' اور امام احمد کی روایت میں ہے کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دے کر کہا وانبیا پھر دوبارہ بوسہ دے کر کہا واصفیا، سہ بارہ بوسہ دے کر کہا واخلیلا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول سے آپ کی وفات ثابت ہوگئی تو اُنھوں نے رو کر کہا ''میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ آپ ایک شاخ سے تکیہ لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے جب لوگ زیادہ ہوگئے اور آپ نے اُن کو سنانے کے لیے منبر بنوالیا تو وہ شاخ آپ کے فراق سے روئی یہاں تک کہ آپ نے اُس پر دست مبارک رکھ دیا تو وہ چپ ہوئی تو آپ کی امت کو بدرجہ اولیٰ رونا چاہیے، جب کہ آپ اُن سے جدا ہوگئے، میرے ماں باپ قربان یا رسول اللہ پروردگار کے نزدیک آپ کی اس قدر فضیلت تھی کہ اُس نے آپ کی طاعت کو اپنی طاعت بنا دیا اور فرما دیا مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہ میرے ماں باپ قربان یا رسول اللہ پروردگار کے نزدیک آپ کی اس قدر فضیلت ہے کہ اُس نے آپ کو تمام انبیا کے آخر میں معبوث فرمایا اور سب سے اول آپ کا ذکر کیا کہ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰھِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی میرے ماں باپ قربان یا رسول اللہ آپ کی یہ فضیلت ہے کہ اہل دوزخ کو عذاب دیا جائے گا تو وہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم نے آپ کی اطاعت کی ہوتی کہیں گے یَا لَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰہَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا میرے ماں باپ قربان یا رسول اللہ ذرا سی عمر میں آپ کے اس قدر تبع ہوگئے جس قدر حضرت نوح کی اتنی زیادہ عمر میں نہ ہوئے''۔ پس ان الفاظ کو دیکھو جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائے ہیں کہ ان میں بعد وفات آنحضرت ﷺ کو بار بار ندا ہے اور اس کو بہت سے ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے اور قاضی عیاض نے شفا میں اور قسطلانی نے مواہب میں اور غزالی نے احیا میں اور ابن الحاج نے مدخل میں ذکر کیا ہے اور بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی وفات

ہوئی تو آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ یا ابتاہ جنۃ الفردوس ماواہ یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ

ترجمہ: میرے والد آپ نے دعوتِ رب کو قبول کیا جنت الفردوس آپکا ماویٰ ہے ہم جبریل کو آپ کے انتقال کی خبر دیتے ہیں۔

آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ نے چند بار آپ کا مرثیہ پڑھا اور قصیدہ کے مطلع میں فرمایا:

الا یا رسول اللہ کنت رَجاء نا وکنت بنا برا ولم تک جافیا

اس بیت میں بھی رسول اللہ ﷺ کو آپ کی وفات کے بعد ندا کی گئی ہے اور صحابہ میں سے کسی نے باوجود اپنی موجودگی اور سماعت کے اس پر انکار نہیں کیا۔

میت کو بعد دفن تلقین بہت سے فقہا نے ذکر کیا ہے اور اس بارے میں حدیث طبرانی سے استناد کیا ہے جو حضرت ابی امامہ سے مروی ہے بہت سے شواہد اس کے موئید ہیں۔ تلقین کی کیفیت یہ ہے کہ دفن کے بعد میت سے قبر کے پاس کہے:

یا عبداللہ ابن امۃ اللہ اذکر عھدک الذی خرجت علیہ من الدنیا شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ و ان محمدا عبدہ ورسولہ وان الجنۃ حق وان النار حق وان الساعۃ اتیۃ لاریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور قل رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد ﷺ نبیا وبالکعبۃ قبلۃ وبالمسلمین اخوانا ربی اللہ لا الہ الا ھو رب العرش العظیم.

ترجمہ: اے اللہ کے بندے اُس کی باندی کے بیٹے اپنے عہد کو یاد کرو جس پر تو دنیا سے نکلا ہے یعنی خدا کے ایک اور محمد ﷺ کے بندہ و رسول خدا ہونے اور جنت و دوزخ کے حق ہونے اور قیامت کے آنے اور قبر سے اُٹھنے کی گواہی دے اور کہہ میں اللہ جیسے رب اور اسلام جیسے دین اور محمد ﷺ جیسے نبی اور کعبہ جیسے قبلہ اور مسلمانوں جیسے بھائیوں سے راضی ہوں۔ میرا رب وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جو رب عرش عظیم ہے۔

اور حدیث مشہور میں ہے کہ بدر میں جب کفار قریش مقتول ہوئے اور ایک گڈھے میں ڈال دیئے

گئے تو آنحضرت ﷺ نے اُن کا اور اُن کے آبا کا نام لے کر پکارا اور فرمایا "کیا تم کو یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت کی ہوتی، ہم سے تو جو پروردگار نے وعدہ کیا تھا وہ ہم نے حق پایا کیا تم نے بھی اُس کا وعدہ حق پایا؟"

ائمہ احبار و علماء اخیار و اولیاء کبار سے جو آثار مروی ہیں اور ندا و خطاب کے جواز پر دلالت کرتے ہیں وہ بہت ہیں جن کو نقل کرتے کرتے عمریں ختم ہوتی ہیں اس پر بہت زمانہ گذر چکا ہے اور کسی نے انکار نہیں کیا تو ایسے امر کے سبب سے جس کا ثبوت براہین سے ہے اہل اسلام کی تکفیر پر اقدام کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

مسلمانوں کو کافر و مشرک کہنے پر وعید

حدیث صحیح میں ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہہ کے پکارے گا تو اُن میں سے ایک پر یہ بات لوٹے گی، اگر وہ ایسا ہی ہے جب تو اُس پر ورنہ کہنے والے پر۔ علما فرماتے ہیں کہ ہزاروں کافروں کا قتل کرنا ایک مسلمان کے خون بہانے سے بہتر ہے، تو اس بارے میں احتیاط واجب ہے اہل قبلہ میں سے کسی پر حکم کفر ایسے ہی امر کے باعث کیا جائے جو واضح اور قاطع اسلام ہو۔

میں نے شیخ محمد بن سلیمان الکردی المدنی (صاحب الحواشی علی مختصر بافضل فی فقہ الشافعی) رضی اللہ عنہ کا ایک رسالہ دیکھا اُس میں اُنھوں نے محمد بن عبدالوہاب کو جب وہ دعوت کے لیے کھڑا ہو گیا مخاطب بنایا ہے اور محمد بن عبدالوہاب شیخ موصوف کے تلامذہ میں سے ہے، مدینہ منورہ میں اُن سے پڑھا ہے، اس میں فرماتے ہیں "اے ابن عبدالوہاب، پیروان ہدایت پر سلام، میں تجھ کو خالصاً للہ نصیحت کرتا ہوں کہ مسلمانوں سے اپنی زبان روک، اگر کسی شخص کو تو سنے کہ وہ سوا اللہ تعالیٰ کے کسی مستغاث بہٖ کی تاثیر کا اعتقاد رکھتا ہے تو اُسے حق بات بتادے اور اُس کی دلیلیں بیان کردے کہ غیر خدا کی تاثیر نہیں ہے، اگر وہ نہ مانے تو اس وقت خاص اُس کو کافر کہہ دے مگر مسلمانوں کے سواد اعظم کی تکفیر تجھ کو جائز نہیں، تو سواد اعظم سے شاذ ہے تو جو شخص سواد اعظم سے علیحدہ ہے اُس کی طرف نسبت کفر زیادہ قریب ہے کیونکہ اُس نے غیر طریقہ مومنین کا اتباع کیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہٖ ماتولّی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا اور بھیڑیا اُس بکری کو کھا

لیتا ہے جو دور رہ جاتی ہے"۔

حاصل یہ ہے کہ مانعین توسل وزیارت حد سے تجاوز کر گئے، اکثر امت کو کافر بتادیا اُن کے جان و مال کو حلال ٹھہرادیا اُن کو اُن مشرکین کی مثل بنادیا جو زمانہ نبی ﷺ میں تھے اور کہہ دیا کہ جو لوگ نبی ﷺ اور دیگر انبیا و اولیا وصلحا سے توسل کرتے، قبر شریف کی زیارت کرتے، آنحضرت ﷺ کو یا رسول اللہ نسالک الشفاعۃ کہہ کر پکارتے ہیں وہ مشرک ہیں اور آیات قرآنیہ جو مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اُن کو خاص و عام مسلمانوں پر ڈھال دیا مثلاً یہ ارشاد الٰہی:

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا (اللہ کے ساتھ کسی کو نا پکارو)

اور وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَھُمْ عَنْ دُعَآئِہِمْ غَافِلُوْنَ ۔ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ کَانُوْا لَھُمْ اَعْدَآءً وَّکَانُوْا بِعِبَادَتِہِمْ کَافِرِیْنَ (ان سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کے علاوہ ایسوں کو پکارتے ہیں جو قیامت تک ان کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے، اور وہ ان کے پکارنے سے غافل ہیں، اور جب لوگوں کا حشر ہوگا تو وہ ان (پکارنے والوں) کے دشمن ہو جائیں گے، اور ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے۔)

اور وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ فَتَکُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِیْنَ (اللہ کے ساتھ دوسرے کو معبود نہ بنانا ورنہ عذاب پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے)

اور لَہٗ دَعْوَۃُ الْحَقِّ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَھُمْ بِشَیْءٍ (اسی کو پکارنا حق ہے، اور اس کے سوا یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں وہ ان کچھ بھی نہیں سنتے)

اور وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ اِنْ تَدْعُوْھُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَکُمْ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکْفُرُوْنَ بِشِرْکِکُمْ (اور اس کے علاوہ تم جسے پوجتے ہو وہ چھوارے کے چھلکے تک کے تو مالک ہیں نہیں، تم اگر ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار تک نہیں سنتے، اور اگر

سن بھی لیں تو تمہاری بات کا جواب نہیں دے سکتے، اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کے منکر ہو جائیں گے)

اور قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّہِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا۔ (اے رسول تم کہہ دو کہ اے کافرو تم پکارو ان لوگوں کو جن کو تم اللہ کے علاوہ گمان کرتے ہو، سو وہ تم سے تکلیف دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، اور نہ ہی پھیر دینے کی، وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب بندہ ہے، اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں)

اس قسم کی آیات قرآن میں بہت ہیں ان سب میں دعا کے معنی ندا لیے پھر مومنین موحدین پر ان آیات کو چسپاں کر دیا اور کہہ دیا کہ "جو شخص نبی ﷺ یا دیگر انبیا، اولیا، صلحا سے استغاثہ کرے گا یا آپ کو پکارے گا یا آپ سے شفاعت چاہے گا وہ ان مشرکین کی مثل ہے اور ان آیات کے عموم میں داخل ہے کیونکہ مشرکین بتوں کی تاثیر یا خلق کا اعتقاد نہ رکھتے تھے بلکہ خالق اللہ تعالیٰ ہی کو جانتے تھے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

ولئن سالتھم من خلق السمٰوات والارض لیقولن خلقھن العزیز العلیم.

اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو عزت والے جاننے والے (اللہ) نے پیدا کیا ہے

تو اللہ تعالیٰ نے ان پر کفر و شرک کا حکم اسی وجہ سے دیا کہ وہ بتوں کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والا کہتے تھے تو یہ لوگ بھی انہیں جیسے ہیں اور توحید دو قسم کی ہے توحید ربوبیت جس کا اقرار مشرکوں نے بھی کیا اور توحید الوہیت جس کا اقرار موحدوں نے کیا اور یہی توحید دین اسلام میں داخل کر دیتی صرف توحید ربوبیت اسلام میں داخل ہونے کے لیے کافی نہیں"۔ لیکن ان کا یہ تمام کلام

باطل ہے، اس واسطے کہ آیات میں جو دعا ہے وہ بمعنی عبادت کے ہے انھوں نے دھوکا دے کر اُسے بمعنی ندا کے ٹھہرا دیا اس کا بطلان نصوص سابقہ سے تم کو معلوم ہو چکا ہے۔

توحید الوہیت اور توحید ربوبیت

اور توحید کی دو قسمیں بتانا بھی باطل ہے اس لیے کہ توحید ربوبیت ہی، توحید الوہیت ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) فرمایا ہے الست بالٰھکم (کیا میں تمہارا معبود نہیں ہوں) نہیں فرمایا، صرف توحید ربوبیت پر کفایت کی اور یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرے گا وہ اُس کی الوہیت کا اقرار کرے گا کیونکہ رب الٰہ کا غیر نہیں بلکہ وہی بعینہٖ الٰہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ دو فرشتے بندہ سے قبر میں پوچھتے ہیں من ربک (تیرا رب کون ہے) من الٰھک (تیرا معبود کون ہے) نہیں کہتے تو ثابت ہوا کہ توحید ربوبیت ہی توحید الوہیت ہے اور تعجب ہے کہ ان لوگوں کے پاس مسلمان آکر کہتا ہے اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ تو اُس سے کہتے ہیں "تو نے توحید الوہیت نہیں پہچانی یہ تو توحید ربوبیت ہے" اور اس کے جان و مال کو تلبیسات باطلہ سے حلال کر لیتے ہیں حالانکہ کافر کی توحید صحیح کب ہے کیونکہ اگر اُس کی توحید صحیح ہوتی تو اُسے دوزخ میں سے نکال لیتے اس لیے کہ دوزخ میں کوئی موحد باقی نہ رہے گا۔ اے مسلمانو! کیا تم نے احادیث و سیر میں کبھی سنا ہے کہ جب عرب رسول اللہ ﷺ کے پاس اسلام لانے کو آتے تھے تو آپ اُن کو توحید ربوبیت و الوہیت کی تفصیل بتاتے تھے؟ اور کہتے تھے کہ توحید الوہیت ہی دین اسلام میں داخل کرے گی؟ یا صرف شہادتین و ظاہر الفاظ پر کفایت کر کے اُن کے اسلام کا حکم دیتے تھے۔ یہ اللہ و رسول پر محض افترا و بہتان ہے اس لیے کہ جو شخص رب کو ایک بتائے گا الٰہ کو بھی ایک بتائے گا اور جو رب کا شریک بتائے گا الٰہ کو بھی بتائے گا۔ مسلمانوں کا الٰہ سوائے رب کے کوئی نہیں، پس جب وہ لا الہ الا اللّٰہ کہتے ہیں تو صرف اللہ ہی کے رب ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ لہٰذا جس طرح غیر خدا سے ربوبیت کی نفی کرتے ہیں، الوہیت کی بھی نفی کرتے ہیں اور ذات و صفات و افعال میں اُس کے لیے وحدانیت ثابت کرتے ہیں اور مشرکین کو شرک و کفر میں ڈالنے والا صرف اُن کا یہ قول نہیں کہ "بت ہم کو خدا سے قریب کر دیں گے" جیسا کہ اس قائل نے گمان کیا

بلکہ اُن کا یہ اعتقاد ہے کہ غیر خدا بھی الٰہ اور مستحق عبادت ہوتا ہے اگرچہ خالق و مؤثر اللہ تعالیٰ ہے، جب ان پر اس طرح حجت قائم کی گئی کہ وہ تمہارے ضرر و نفع پر قدرت نہیں رکھتے اور پیدا نہیں کرتے بلکہ خود مخلوق ہیں تو اُنھوں نے کہا کہ "ہم اُن کی عبادت صرف اس غرض سے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا دیں" پس غیر خدا کی الوہیت و استحقاق عبادت کے اعتقاد نے ہی اُن کو شرک میں ڈال دیا اور اس اعتقاد کے ہوتے ہوئے اُن کو اس اعتقاد نے نفع نہ دیا کہ "خالق و مؤثر اللہ ہی ہے" مگر الحمد للہ اہل اسلام تو اس سے بری ہیں کیونکہ وہ سوا خدا کے کسی کو مستحق عبادت و الوہیت نہیں سمجھتے یہ ہے فرق دونوں حالتوں میں، لیکن یہ جاہل اہل اسلام کو کافر ٹھہرانے والے چونکہ اس فرق کو نہ سمجھے تو مخبوط ہو کر کہنے لگے کہ "توحید کی دو قسمیں ہیں" اور اس کے سبب سے مسلمانوں کی تکفیر تک پہنچ گئے۔ تم نصوص سابقہ پر غور کرو تو انشاء اللہ تعالیٰ حال واضح ہو جائے گا اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ جس اعتقاد پر سواد اعظم ہے وہی حق ہے جس سے مفر نہیں۔

تبرک کا جواز

ان ملحدین و مکفرین اہل اسلام کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ "صالحین کے پاس جانا اور اُن سے تبرک شرک اکبر ہے"۔ یہ بھی باطل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ حضرت عمر بن الخطاب اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حکم دیا کہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اُن سے دعا و استغفار چاہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے --- تبرک بآثار صالحین کے متعلق یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کے آب وضو کے لیے اژدہام کرتے اور اُسے تبرک بناتے تھے۔ جب آپ ناک صاف کرتے یا تھوکتے تو اُسے لے کر مل لیتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی حجامت کے وقت حجام کے پاس ازدہام کر لیتے تھے، جب آپ نے پچھنی لگوائی تو حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کا خون پی لیا اور حضرت ام ایمن نے آپ کا بول پی لیا تو آپ نے اُن سے فرمایا اے ام ایمن (تمہارے لیے) صحت ہے۔ یہ تمام امور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں جن کا انکار جاہل یا معاند ہی کرے گا بلکہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ سقایہ عباس رضی اللہ عنہ کے پاس پانی پینے تشریف لے گئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو حکم دیا کہ نبی ﷺ کے لیے گھر سے اور پانی لاؤ اور کہا "یا رسول اللہ اس پانی میں عام ہاتھ

لگتے رہتے ہیں تو ہم آپ کے لیے دوسرا پانی لائیں"۔ آپ نے فرمایا نہیں میں تو مسلمانوں کی برکت اور اُسی پانی کو چاہتا ہوں جسے اُن کے ہاتھ لگتے ہیں۔ تو جب رسول اللہ ﷺ یہ فرمائیں تو دوسروں کا کیا حال ہونا چاہیے۔ پس ہر مسلمان میں نور و برکت ہے اور تاثیر غیر خدا کا اعتقاد رکھتے نہیں تو آثار صالحین سے طلب برکت میں شرک یا حرمت کچھ نہیں۔ حقیقت میں یہ لوگ تو مسلمان کو دھوکہ دیتے ہیں تاکہ اپنے اغراض تک پہنچ جائیں۔ **فلاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** یہ موحد اُسی کو سمجھتے ہیں جو ان کے قول میں ان کا اتباع کرے تو ان کے خیال پر موحد بہت ہی کم رہ گئے۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بعض اقوال

محمد بن عبدالوہاب نے یہ بدعت نکالی ہے کہ مسجد درعیہ میں خطبہ پڑھا کرتا تھا اور کہتا کہ "جو شخص نبی ﷺ سے توسل کرے وہ کافر ہے"۔ لیکن اُس کے بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب اہل علم میں سے تھے تو وہ اس کے ہر فعل و حکم کا سخت انکار کرتے تھے تو اُنھوں نے اس کی بدعات میں سے کسی بات کا اتباع نہیں کیا۔ ایک دن اُنھوں نے اُس سے فرمایا کہ "اے محمد بن عبدالوہاب ارکانِ اسلام کتنے ہیں؟ اس نے کہا پانچ، تو انھوں۔ نے فرمایا کہ "تو نے چھ کر دیئے ہیں جو شخص تیرا اتباع نہ کرے وہ مسلمان نہیں، یہ تیرے نزدیک چھٹا رکن ہے" اور ایک دن ایک شخص نے اس سے کہا کہ رمضان میں ہر رات اللہ تعالیٰ کس قدر بندے آزاد کرتا ہے؟ کہا "ایک لاکھ اور آخر رات میں اتنے آزاد کرتا ہے جتنے تمام مہینے میں کیے ہیں"۔ اُس شخص نے کہا کہ "تیرے متبعین تو اُس کا عشر عشیر بھی نہیں تو یہ کون مسلمان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ آزاد کرتا ہے حالانکہ مسلمانوں کا حصر اپنے آپ اور اپنے متبعین میں کرتا ہے"۔ پس وہ مبہوت (حیران و مخبوط) ہو گیا اور جب اُس کے اور اُس کے بھائی میں نزاع بڑھ گیا تو اُن کو خوف ہوا کہ میرے قتل کا حکم نہ دے دے لہٰذا وہ مدینہ منورہ کو رحلت کر گئے اور اُس کے رد میں ایک رسالہ لکھ کر روانہ کیا مگر وہ باز نہ آیا اور بھی بہت سے علمائے حنابلہ وغیرہ نے اس کے رد میں رسائل تالیف کر کے اُس کو بھیجے، لیکن وہ باز نہ آیا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے جو ایک قبیلہ کا سردار تھا اور بس پر وہ حملہ نہ کر سکتا تھا اُس سے کہا کہ "اگر تجھ کو کوئی شخص صادق صاحبِ دین و امانت جسے تو سچا جانتا ہو خبر دے کہ بہت سے لوگ تیرے اوپر

چڑھ آئے ہیں جو فلاں پہاڑ کے پیچھے ہیں اور تو ہزار سواروں کو اُن لوگوں کے دیکھنے کو بھیجے تو وہ کسی کا پتہ نہ پائیں بلکہ اُس مقام پر اُن میں سے کوئی آیا بھی نہ ہو تو تو اُن ہزار کو سچا سمجھے گا یا اُس ایک صادق شخص کو؟" کہا میں ہزار کو سچا سمجھوں گا، تو اس شخص نے کہا کہ "تمام مسلمان علمائے گذشتہ و موجودہ اپنی کتابوں میں تیرے اقوال کی تکذیب و رد کرتے ہیں تو ہم اُن کو سچا سمجھتے ہیں اور تجھ کو جھوٹا"۔ اس کا وہ کچھ جواب نہ دے سکا۔

ایک بار ایک اور شخص نے اُس سے کہا "یہ دین جو تو لایا ہے متصل ہے یا منفصل؟" کہا "میرے مشائخ اور اُن مشائخ کے مشائخ چھ سو برس تک سب مشرک ہیں"۔ تو اُس شخص نے کہا کہ "ایسی حالت میں تیرا دین منفصل ہے نہ کہ متصل، تو تو نے اس کو کس سے لیا"۔ کہا "وحی الہام سے جس طرح خضر نے"، اُس نے کہا "یہ تو تجھ میں منحصر نہیں ہر شخص وحی الہام کا دعویٰ کر سکتا ہے"۔ پھر اُس شخص نے اس سے کہا "توسل اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہے یہاں تک کہ ابن تیمیہ نے بھی اس میں دو وجہیں ذکر کی ہیں اور اس کے قائل کو کافر نہیں بتایا ہے بلکہ رافضی، خارجی اور تمام بدعتی آنحضرت ﷺ سے صحت توسل کے قائل ہیں تو تُو کیسے کافر کہتا ہے؟ محمد بن عبدالوہاب نے اس سے کہا کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے طلب بارش کی نبی ﷺ سے کیوں نہ کی؟ اس سے مراد یہ تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ زندہ تھے اور آنحضرت ﷺ وفات پا چکے تھے تو آپ سے توسل نہ کیا گیا"۔ اُس شخص نے کہا "یہ تو تیرے اوپر حجت ہے اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے طلب بارش کرنا لوگوں پر یہ ظاہر کرنے کے لیے تھا کہ توسل غیر نبی ﷺ سے بھی صحیح ہے اور تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے کیسے حجت لاتا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہی تو ہیں جنھوں نے قبل پیدائش نبی ﷺ سے حضرت آدم کے توسل کی حدیث روایت کی ہے تو توسل بالنبی ﷺ تو حضرت عمر وغیرہ کو معلوم تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی چاہا کہ لوگوں کو غیر نبی ﷺ سے صحت توسل معلوم ہو جائے"۔ پس وہ مبہوت و حیران رہ گیا مگر اپنی خرافات پر قائم رہا۔ اُس کی خرافاتوں میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ جب اُس نے لوگوں کو زیارت نبی ﷺ سے منع کر دیا تو کچھ لوگ احسا سے نکلے اور نبی ﷺ کی زیارت کی۔ یہ خبر اُس کو پہنچ گئی جب وہ واپسی میں درعیہ ہو کر گذرے تو اُس

نے اُن کی داڑھی مونڈنے کا حکم دیا پھر اُن کو درعیہ سے احسا تک اُلٹا سوار کرکے بھیجا۔ ایک مرتبہ اُس کو خبر ملی کہ اُن لوگوں کی ایک جماعت نے جو اس کے متبع نہیں ہیں آفاق بعیدہ سے زیارت وحج کا قصد کیا ہے، وہ لوگ درعیہ ہو کر گذرے تو اُن میں سے بعض نے اُس کو اپنے کسی پیرو سے کہتے ہوئے سنا کہ ''مشرکوں کو مدینہ کے راستے جانے دو اور مسلمانوں کو ہمارے ساتھ رہنے دو''

آنحضرت ﷺ پر درود پڑھنے سے منع کرتا تھا، اُس کے سننے سے ناراض ہوتا تھا، شب جمعہ میں اور مناروں پر بلند آواز سے درود پڑھنے کو منع کرتا تھا، جو ایسا کرتا اُسے سخت سزا دیتا یہاں تک کہ ایک نابینا شخص جو مؤذن صالح اور خوش آواز تھا اُس کو بعد اذان منارہ میں درود پڑھنے سے منع کیا، اُس نے نہ مانا اور درود پڑھتا رہا تو اُس کے قتل کا حکم دے دیا اور کہا کہ ''زانیہ کے گھر میں رباب (چنگ) کا گناہ منارہ میں درود پڑھنے سے بہت کم ہے'' اور اپنے اصحاب کو دھوکہ دیتا تھا کہ یہ تمام امور توحید کے محافظ ہیں۔ دلائل الخیرات وغیرہ جو درود کی کتابیں ہیں اُن سب کو جلا دیا۔ اپنے متبعین کو کتب فقہ وتفسیر وحدیث کے مطالعہ سے منع کرتا تھا۔ بہت سی کتابیں جلا بھی ڈالیں، اپنے ہر پیرو کو اجازت دے دی تھی کہ قرآن کی تفسیر اپنے فہم کے مطابق کرے یہاں تک کہ اُس نے اپنے متبعین کو برانگیختہ کر دیا۔ اُن میں سے ہر ایک ایسا ہی کرتا تھا، اگرچہ قرآن اُسے بالکل یاد نہ ہو جسے یاد نہ ہوتا وہ کسی دوسرے سے کہتا کہ تم قرآن پڑھو میں اُس کی تفسیر بتاؤں جب وہ پڑھتا تھا تو یہ اپنی رائے سے تفسیر کر دیتا تھا۔ محمد بن عبدالوہاب نے اس کو کتب علم ونصوص علما پر مقدم ٹھہرا دیا تھا۔ ائمہ اربعہ کے اکثر اقوال کو کہہ دیا کرتا تھا کہ یہ کچھ نہیں اور کبھی اشتباہ ڈالتا اور کہتا تھا کہ ''امام تو حق پر ہیں مگر اُن کے متبعین علما جنھوں نے مذاہب اربعہ میں کتابیں تالیف کی ہیں گمراہ ہیں اور انھوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا ہے''۔ کبھی کہتا تھا ''شریعت تو ایک ہے ان لوگوں نے چار مذاہب کیسے بنا لیے ہیں؟ ہم تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر ہی عمل کرتے ہیں، کسی مصری یا شامی یا ہندی کے قول کی پیروی نہیں کرتے''۔ اس سے مراد اکابر علمائے حنابلہ وغیرہ ہیں جنھوں نے اس کے رد میں کتابیں لکھیں۔ پس اُس کے نزدیک حق وہی تھا جو اُس کی خواہش کے مطابق ہو اگرچہ وہ نص جلی سے جس پر اجماع امت ثابت ہو۔ اکثر نبی ﷺ کی تنقیص مختلف عبارتوں سے کیا کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ میرا قصد محافظت توحید ہے مثلاً کہتا تھا کہ ''آنحضرت ﷺ

طارش ہیں'' اس کے معنی اہل مشرق کی لغت میں اُس شخص کے ہیں جو ایک قوم کی طرف سے دوسری قوم کی طرف بھیجا جائے۔ مطلب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ حامل کتاب ہیں یعنی آپ کا انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ وہ طارش کی طرح ہیں جو لوگوں کو امیر وغیرہ کا پیغام پہنچا کر لوٹ آتا ہے۔ یہ بھی کہتا تھا کہ ''میں نے قصہ حدیبیہ کو دیکھا تو اُس میں فلاں فلاں بات جھوٹی پائی''۔ اس کے علاوہ اور اسی قسم کی باتیں بکتا تھا یہاں تک کہ اُس کے متبعین بھی اُسی کی طرح بلکہ اُس سے بھی زیادہ قبیح اقوال کہتے تھے کہ ''ہمارا عصا محمد سے بہتر ہے اس واسطے کہ اس سے سانپ وغیرہ کے قتل میں نفع ملتا ہے اور محمد تو مر چکے ہیں، اُن سے کچھ نفع نہیں وہ تو طارش تھے سو گذر چکے''۔ (نعوذ باللہ من ذالک) بعض علما نے اس کے رد میں لکھا ہے کہ ''یہ چاروں مذہبوں میں بلکہ تمام اہل اسلام کے نزدیک کفر ہے''۔ محمد بن عبدالوہاب ابتدائے عمر میں مدینہ میں طالب علم تھا۔ مدینہ ومکہ کے درمیان میں آیا جایا کرتا تھا اور اس کی اصل بنی تمیم سے ہے، بہت سے علمائے مدینہ سے پڑھا ہے، اُن میں شیخ محمد بن سلیمان الکردی الشافعی اور شیخ محمد حیات السندی الحنفی بھی ہیں یہ دونوں شیخ مذکور اس میں الحاد وضلال کی علامت پاتے تھے اور کہتے تھے کہ ''یہ عنقریب گمراہ ہو جائے گا اور اس کے سبب سے اور لوگ بھی جو ملعون وشقی ہیں گمراہ ہوں گے'' چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اُن کی فراست غلط نہ ہوئی۔ اس کے والد عبدالوہاب علماء صالحین میں سے تھے، وہ بھی اس میں الحاد کی علامت پاتے تھے اور اکثر اس کی برائی کرتے لوگوں کو اس سے ڈراتے تھے۔ اسی طرح اس کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب اس کی ایجاد کردہ بدعات وضلال وعقائد واہیہ کا انکار کرتے تھے پیچھے معلوم ہو چکا ہے کہ اُنھوں نے اس کے رد میں کتاب لکھی تھی۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حالات زندگی

محمد بن عبدالوہاب کی ولادت سنہ ۱۱۱۱ھ میں ہوئی اور بہت مدت تک زندہ رہا یہاں تک کہ اس کی عمر بانوے سال کی ہوئی کیونکہ سنہ ۱۲۰۶ھ میں وفات ہوئی۔ جب اس نے اپنے وسوسہ شیطان یعنی بدعت وضلالت کا اظہار کرنا چاہا تو مدینہ سے شرق کی طرف رحلت کر گیا اور لوگوں کو توحید اور ترک شرک کی دعوت دینے لگا، آدمیوں کو مزخرفات باتیں سناتا اور سمجھاتا تھا کہ جس پر لوگ ہیں وہ سب شرک وضلال ہے اور اپنا عقیدہ درجہ بدرجہ ظاہر کرتا تھا، پس بہت سے عام جنگلی

لوگوں نے اُس کا اتباع کر لیا، شرق میں اُس کی اس حالت کا ابتدائی ظہور سنہ ۱۱۴۳ھ میں ہوا اور سنہ ۱۱۵۰ھ میں نجد اور اُس کے مواضعات میں شہرت ہوگئی اور امیر الدرعیہ محمد بن سعود اس کی مدد کو کھڑا ہو گیا اور اس کو اپنی وسعت ملک و نفاذ امر کا وسیلہ بنایا اور اہل درعیہ کو محمد بن عبدالوہاب کی متابعت پر آمادہ کر دیا پس درعیہ اور اُس کے حوالی کے لوگوں نے اس کا اتباع کیا اور یکے بعد دیگرے عرب کے بہت سے قبائل اُس کی اطاعت کرتے رہے یہاں تک کہ اس کو قوت ہوگئی، تو جنگلی اُس سے خوف کرنے لگے اُن سے کہتا تھا کہ میں تم کو توحید اور ترک شرک ہی کی طرف تو بلاتا ہوں اور اُن سے خوب باتیں بناتا تھا، وہ بدو بالکل جاہل تھے، امور دین کو قطعاً جانتے ہی نہ تھے لہٰذا اُنھوں نے اس کے اقوال کو مستحسن سمجھ لیا اُن سے کہتا تھا ”میں تم کو دین کی دعوت دیتا ہوں اور آسمان کے نیچے جس قدر لوگ ہیں علی الاطلاق مشرک ہیں اور جو مشرک کو قتل کرے گا اُس کے لیے جنت ہے“۔ پس وہ اُس کے متبع ہو گئے اور اُن کے نفوس اس سے مطمئن ہو گئے۔ محمد بن عبدالوہاب ان کے درمیان ایسا ہی تھا جیسے نبی اپنی امت کے درمیان ہوتا ہے وہ اُس کے کسی قول کو نہ چھوڑتے تھے اور بغیر اُس کے حکم کے کوئی کام نہ کرتے تھے اور اُس کی بے انتہا تعظیم کرتے تھے۔ جب کسی انسان کو قتل کرتے تو اُس کا مال چھین کر اُس میں سے خمس (پانچواں حصہ) امیر محمد بن سعود کو دے دیتے تھے باقی آپس میں تقسیم کر لیتے تھے جہاں وہ جاتا تھا اُس کے ساتھ جاتے تھے جو حکم وہ دیتا تھا اُس کی تعمیل کرتے تھے اور امیر محمد بن سعود اُس کے ہر قول کو نافذ کرتا تھا یہاں تک کہ اُس کا ملک وسیع ہو گیا۔ وسعت ملک اور اشاعت شر سے قبل انھوں نے شریف مسعود بن سعید بن سعد بن زید کے دور حکومت میں جو (سنہ ۱۱۴۶ھ میں امیر مکہ ہوئے تھے اور ۱۱۶۵ھ میں وفات پا گئے)۔ حج کا ارادہ کیا تھا اور اُن سے اجازت چاہی تھی۔ اصل مطلب ان کا یہ تھا کہ اپنے عقیدہ کا اظہار کریں اور اہل حرمین کو اس پر آمادہ کریں اور اپنے تیس عالم پہلے سے روانہ کر دیئے اس گمان سے کہ وہ اہل حرمین کے عقائد کو فاسد کریں گے اور اُن سے جھوٹی باتیں ملائیں گے اور حج کا اذن طلب کیا اگرچہ سالانہ اُن پر کچھ مقرر ہو جائے۔ اہل حرمین نے نجد میں ان کا ظہور اور بدوؤں کا فساد عقائد سنا تھا مگر اس کی حقیقت معلوم نہ کی تھی جب ان کے علما مکہ میں پہنچے تو شریف مسعود نے حکم دیا کہ علما حرمین ان سے مناظرہ کریں، چنانچہ اُنھوں نے اُن سے مناظرہ کیا تو ان کو

مسخرہ اور اُن گدھوں کی طرح پایا جو شیر سے بھاگتے ہیں، اُن کے عقائد کو دیکھا تو بہت سے کفریات پر مشتمل تھے۔ جب اُنھوں نے اُن پر حجت و برہان قائم کر دی تو اس کے بعد شریف مسعود نے قاضی شرع کو ان کے کفر ظاہر کی سند لکھ دی تا کہ اگلوں پچھلوں سب کو معلوم ہو جائے پھر اُن ملحدوں کی قید کا حکم دے دیا اور طوق و بیڑیاں ڈال دیں، پس بہت سے پکڑ کر قید کر دیئے اور باقی بھاگ کر درعیہ پہنچے اور واقعہ بیان کیا تو اُن کے امیر نے سرکشی و تکبر کیا اور اس مقصد سے باز رہا یہاں تک کہ شریف مسعود کی حکومت ختم ہوگئی، سنہ ۱۱۶۵ھ میں اُن کی وفات ہوگئی اور اُن کے بھائی شریف مساعد بن سعید امیر مکہ ہوئے تو اُن سے بھی حج کی اجازت چاہی مگر انھوں نے انکار کیا اور ان کی امیدیں کمزور ہو گئیں، جب شریف مساعد سنہ ۱۱۸۴ھ میں وفات پا گئے اور ان کے بھائی شریف احمد بن سعید امیر مکہ ہوئے تو امیر درعیہ نے اپنے علما کی ایک جماعت روانہ کی تو شریف نے علما کو ان کے امتحان کا حکم دیا اُنھوں نے امتحان لیا تو اُن کو زنادقہ کے دین پر پایا پس شریف نے اُن کو حج کی اجازت نہ دی۔ پھر ان کے بھتیجے شریف سرور بن مساعد نے سنہ ۱۱۸۶ھ میں اُن سے امارت مکہ علیحدہ کر لی تو شریف سرور کے زمانہ میں اُنھوں نے حج کی اجازت چاہی، انھوں نے جواب دیا کہ اگر تم آنا چاہتے ہو تو میں تم سے ہر سال اس قدر جو روافض اور عجمیوں سے لیتا ہوں اور اس سے سو عمدہ گھوڑے زیادہ لوں گا تو اُن پر اس کا دینا اور رافضیوں کی مثل ہونا گراں گذرا۔ جب سنہ ۱۲۰۲ھ میں شریف سرور کی وفات ہوگئی اور اُن کے بھائی شریف غالب امیر مکہ ہوئے تو بھی انھوں نے حج کی اجازت چاہی مگر شریف نے اُن کو منع کر دیا اور سنہ ۱۲۰۵ھ میں ایک لشکر اُن کے اوپر بھیجا اُس وقت سے سنہ ۱۲۲۰ھ تک برابر جنگ جاری رہی یہاں تک کہ شریف اُن کے دفعیہ سے عاجز ہو گئے تو وہ مکہ میں داخل ہو گئے۔ اس مدت میں اُن کا ملک وسیع ہو گیا تھا اور ان کے شرارے اُڑ چکے تھے، پس وہ اول مشرق کے مالک ہو گئے پھر اقلیم احسا و بحرین و عمان و مسکت کے اور بغداد و بصرہ سے اُن کا ملک قریب ہو گیا اور تمام حرار کے مالک ہو گئے۔ پھر خیوف ذوات النخل کے پھر حربیہ اور فرع اور جہینہ کے پھر مابین مدینہ و شام کے پھر مابین شام و حلب و بغداد کے پھر مکہ و مدینہ کے اور مکہ کے مالک ہونے سے قبل اُس کے گرد کے قبائل اور طائف اور اُس کے گرد کے قبائل ملکیت میں آ گئے۔ جب ذیقعدہ سنہ ۱۲۱۷ھ میں طائف کے مالک ہو گئے تو

بڑے چھوٹے اور محکوم وحاکم سب کو قتل کر ڈالا جس کی عمر بڑی تھی وہی بچ رہا۔ بچے کو ماں کے سینے پر ذبح کرتے تھے، مال لوٹ لیے، عورتوں کو قید کر لیا اور بہت سی باتیں کیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے، پھر محرم سنہ ۱۲۱۸ھ میں مکہ کا قصد کیا اور شریف کو اُن سے لڑنے کی طاقت نہ تھی لہٰذا وہ اُن کے لیے مکہ چھوڑ کر جدہ چلا گیا، اور ان کے داخل ہونے سے دو منزل قبل اہل مکہ نے جا کر اُن سے امان لی اور مکہ میں داخل ہو گئے پھر وہ شریف غالب سے لڑنے کے لیے جدہ کی طرف متوجہ ہوئے تو شریف نے اُن سے جنگ کی اور راستے بند کر دیئے، جس سے وہ جدہ میں نہ داخل ہو سکے تو صفر ۱۲۱۸ھ میں اپنے دیار کی طرف رحلت کر گئے اور اپنی قوم میں سے کچھ لوگ حفاظت مکہ کے لیے چھوڑ گئے۔ ربیع الاول سنہ ۱۲۱۸ھ میں شریف غالب پاشا صاحب جدہ اور بہت سے لشکر کے ساتھ جدہ سے واپس ہوئے اور اُن کی جماعت کو مکہ سے نکال دیا اور شریف غالب پھر والی مکہ ہو گئے۔ پھر ان سے اور ان لوگوں سے سنہ ۱۲۲۰ھ تک برابر لڑائی رہی اور وہ غالب ہو کر تمام اطراف کے مالک ہو گئے اور مکہ کا محاصرہ کر لیا جس کے سبب سے مہنگائی عام طور پر سخت ہو گئی، لوگوں نے کتوں اور مردوں کا گوشت کھا لیا۔ تو شریف غالب نے اُن سے صلح کر لی اور وہ مکہ میں داخل ہو گئے۔ سنہ ۱۲۲۷ھ تک برابر اُن کی بادشاہت رہی پھر مصر کے وزیر معظم و مفخم مولانا السلطان محمود نے محمد علی پاشا کو حکم دیا اُنھوں نے لشکر لے جا کر حرمین سے اُن لوگوں کو نکال دیا پھر خاص اُن کے ملک میں لشکر روانہ کیے بعض لشکروں کے ساتھ خود بھی گئے یہاں تک کہ اُن کا خاتمہ کر دیا بعض علما نے اُن کے مکہ سے نکلنے کی تاریخ لکھی ہے قطع دابر الخوارج (۱۲۲۷ھ)، ان کے وقائع طویل ہیں جن کے ذکر کی کچھ حاجت نہیں۔ امیر اول محمد بن سعود تھا جب وہ مر گیا تو اُس کی اولاد نے اُس کی قائم مقامی کی اور محمد بن عبدالوہاب مر گیا تو اس کی اولاد اُس کی قائم مقام ہوئی۔ امیر محمد بن سعود اور اس کی اولاد جب کسی قبیلہ کے مالک ہو جاتے تھے تو اُس پر قریب والوں پر مسلط کر دیتے تھے یہاں تک کہ تمام قبائل کے مالک ہو گئے جب کسی شہر پر جنگ کرنا چاہتا تھا تو جس قبیلہ کو اپنے ہمراہ لے جانا چاہتا تھا اُسے چھنگلی برابر رقعہ لکھ کر طلب کر لیتا تھا۔ پس وہ تمام ضروریات زاد وغیرہ اپنے ساتھ لے کر آ جاتے تھے اُس کو کسی چیز کی تکلیف نہ دیتے تھے اور اُس کا کوئی لشکر وغیرہ نہ تھا جب وہ چیز لوٹتے تھے تو چار حصے آپ لیتے تھے اور ایک حصہ اُسے دے

دیتے تھے اور جہاں وہ جاتا تھا ہزاروں لاکھوں شخص اُس کے ساتھ جاتے تھے اور ذرہ برابر بھی اُس کی مخالفت نہ کر سکتے تھے۔ یہ ایک بلا تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا امتحان لیا تھا۔ اسلام میں یہ بڑا فتنہ ظاہر ہوا جس سے عقلیں اُڑ گئیں تھیں، عقل مند حیران ہو گئے تھے۔ انھوں نے کم عقلوں کو بعض ایسے امور سے شبہہ میں ڈال دیا تھا جس سے وہ اُن کو امر دین پر قائم خیال کرتے تھے مثلاً بدویوں کو نماز پڑھنے، جمعہ و جماعت کے التزام کا حکم دیتے تھے اور فواحش ظاہرہ زنا، لواطت اور لوٹ مار سے منع کرتے تھے لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے تھے اس لیے کم سمجھ اور جاہل اُن کا حال اچھا سمجھتے تھے مگر اُن کی تکفیر اہل اسلام سے غافل تھے کہ وہ چھ سو برس تک کے لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ اس سے بھی غافل تھے کہ وہ لوگوں کے جان و مال کو حلال جانتے تھے اور طرح طرح سے آنحضرت ﷺ اور آپ کے محبین کی تحقیر کرتے تھے جب کوئی شخص طوعاً و کرہاً اُن کے دین کا اتباع کرنا چاہتا تھا تو اول کلمہ پڑھنے کا حکم دیتے تھے پھر کہتے تھے اپنے نفس پر گواہ ہو جا کہ تو کافر تھا اور اپنے والدین اور فلاں فلاں اکابر علما پر گواہ ہو جا کہ وہ کافر مرے اگر وہ اس کی گواہی دیتا تھا تو اُسے قبول کر لیتے تھے ورنہ قتل کا حکم دے دیتے تھے اور جب کوئی شخص ایسا اُن کے دین میں داخل ہوتا تھا جس نے حج کر لیا ہوتا تو اُس سے کہتے کہ دوبارہ حج کر کیونکہ پہلے حج تو نے شرک کی حالت میں کیا اور جو لوگ باہر کے ان کا اتباع کرتے تھے اُنھیں مہاجرین اور اہل شہر کو انصار کہتے تھے۔ محمد بن عبدالوہاب کے حال سے ظاہر ہے کہ وہ نبوت کا دعویٰ کرتا مگر صراحتاً اس کے اظہار پر قادر نہ ہوا۔ ابتدا میں اُن لوگوں کی خبریں دیکھنے کا بہت حریص تھا جنھوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا جیسے مسیلمہ کذاب اور سجاح اور اسود عنسی اور طلیحہ اسدی وغیرہ اسی واسطے مذاہب ائمہ و اقوال علما پر طعن کیا کرتا تھا۔ دین نبی ﷺ میں سے صرف قرآن ہی اُس نے قبول کیا تھا اور اپنے حسب مراد اس کی تاویل کرتا تھا اور یہ بھی ظاہری طور پر تھا تا کہ لوگ حقیقت حال نہ جان جائیں۔ ماسوا قرآن کے احادیث نبی ﷺ اور اقوال صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین اور ان امور کا قائل نہ تھا جن کو ائمہ نے قرآن و حدیث سے مستنبط کیا ہے اور نہ اجماع و قیاسِ صحیح کا اعتبار کرتا تھا اور جھوٹ موٹ پردہ پوشی کے لیے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے مذہب پر بنتا تھا حالانکہ امام احمد بن حنبل اس سے بری ہیں۔ اسی وجہ سے اُس کے اکثر معاصرین علمائے حنابلہ نے اُس کے ردّ

میں رسائل کثیرہ تالیف کئے، یہاں تک کہ اُس کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب نے بھی اُس کے رد میں رسالہ لکھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اور اُس نے تکفیر مسلمین میں اُن آیات سے استناد کیا جو مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے وصف خوارج میں روایت کی ہے کہ انھوں نے اُن آیات کو جو کفار کے متعلق نازل ہوئی تھیں مومنین پر ڈھال دیا اور بخاری کے علاوہ دوسری روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''سب سے زیادہ خوف اپنی امت پر مجھ کو اُس شخص سے ہے جو قرآن کی تاویل بے محل کرتا ہے''۔ یہ سب ابن عبدالوہاب اور اُس کے متبعین پر صادق ہے سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ وہ اپنے عمال کو جو بالکل جاہل ہوتے تھے لکھ دیتا تھا کہ ''اپنے فہم کے مطابق اجتہاد کرو اور جو بات اس دین کے مناسب پاؤ اُسی کا حکم دو ان کتابوں کی طرف التفات نہ کرو کیونکہ ان میں حق و باطل دونوں ہیں''۔ بہت سے علماو صالحین اور عوام مسلمین کو اس بنا پر قتل کر دیا کہ انھوں نے اس کی بدعت میں موافقت نہیں کی۔ جو بھی اس کی خواہش کے مطابق ہوتا زکوۃ ویسے ہی تقسیم کرتا تھا۔ نماز کے بعد دعا سے منع کرتا اُسے بدعت بتاتا تھا۔ مذاہب اربعہ کے بہت سے علمانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے کتب مبسوطہ میں اس کا رد کیا کہ ''جب بدعتیں ظاہر ہوں اور عالم ساکت رہے تو اُس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہے اور جب اہل بدعت ظاہر ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی حجت جس مخلوق کی زبان پر چاہتا ہے ظاہر کر دیتا ہے'' اسی وجہ سے تمام مذہب کے علما شرق و غرب کے اُس کے ردّ کو کھڑے ہو گئے اور بعض نے اُس کے رد میں امام احمد اور اُن کے اہل مذہب کے اقوال کا التزام کیا اُس سے ایسے مسائل پوچھے جن کو ادنیٰ ادنیٰ طالب علم جانتے ہیں اُن کا جواب اُس سے نہ بن پڑا اس لیے کہ اُسے علوم کی استعداد ہی نہ تھی۔ صرف ان خرافات کو جانتا تھا جو شیطان نے مزین کر دی تھیں۔ منجملہ ان علما کے علامہ شیخ محمد بن عبدالرحمٰن بن عفالق ہیں انھوں نے ایک کتاب جلیل جس کا نام ''تھکم المقلدین بمن ادعی التجدید فی الدین '' ہے تالیف کی اور اُس سے ہر من گھڑت مسئلہ کا رد بلیغ کیا۔ پھر چند اجنبی سوالات کیے جو علوم شرعیہ و ادبیہ سے متعلق ہیں اور اُن کو لکھ کر اس کے پاس بھیجا تو وہ ادنیٰ سے ادنیٰ کے جواب سے عاجز رہا چہ جائے کہ مشکل

سوالات، ان سوالوں میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ سورہ والعادیات میں حقیقت شرعیہ اور حقیقت لغویہ اور حقیقت عرفیہ کس قدر ہیں اور مجاز مرسل، مجاز مرکب، استعارہ حقیقیہ، استعارہ وقافیہ، استعارہ مطلقہ، استعارہ مجردہ، استعارہ مرشحہ کتنے اور وضع ترشیح تجرید استعارہ بالکنایہ استعارہ تخیلیہ کہاں کہاں ہے؟ اور تشبیہ ملفوف و مفروق و مفرد و مرکب اور مجمل و معضل اور ایجاز و اطناب و مساوات اور اسناد حقیقی و اسناد مجازی یعنی مجاز حکمی و عقلی کس قدر ہے اور مظہر کی بجائے مضمر اور بالعکس کہاں ہے؟ اور ضمیر شان اور التفات اور فصل و وصل اور کمال اتصال و کمال انقطاع اور ہر دو معطوف جملوں میں جامع اور تناسب جمل کہاں ہے اور وجہ تناسب اور حسن و بلاغت میں وجہ کمال کیا ہے اور ایجاز قصر و ایجاز حذف اور احتراس کہاں ہے؟ ان تمام امور کا موقع بیان کرو تو محمد بن عبدالوہاب ان میں سے کسی کا جواب نہ دے سکا۔

احادیث میں خوارج کے ظہور کی خبر

آنحضرت ﷺ نے احادیث کثیرہ میں ان خوارج کی خبر دے دی ہے تو یہ علامات نبوت میں سے ہیں کہ ان میں اخبار بالغیب ہے اور یہ تمام احادیث صحیح ہیں جن میں سے بعض تو صحیح بخاری و مسلم میں ہیں اور بعض اور کتابوں میں۔ منجملہ اُن کے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ''فتنہ اُدھر سے نکلے گا'' اور مشرق کی طرف اشارہ فرمایا اور یہ ارشاد کہ ''مشرق کی جانب سے کچھ لوگ نکلیں گے جو قرآن پڑھیں گے مگر وہ اُن کے گلوں سے تجاوز نہ کرے گا وہ دین سے اس طرح علیحدہ ہو جائیں گے جس طرح تیر کمان سے، دین کی طرف نہ لوٹیں گے جب تک تیر چلہ کی طرف نہ لوٹ آئے۔ اُن کی نشانی سر منڈانا ہے'' اور فرماتے ہیں کہ ''میری امت میں اختلاف ہوگا ایک فرقہ ایسا ہوگا جن کا قول اچھا ہوگا اور فعل برا، وہ قرآن پڑھیں گے اُن کا ایمان دلوں تک نہ پہنچے گا، وہ دین سے اس طرح علیحدہ ہو جائیں گے جس طرح تیر کمان میں سے (بہت جلد) نکل آتا ہے اور اس وقت تک نہ لوٹیں گے جب تک تیر اپنی جگہ نہ لوٹ آئے (یعنی جس طرح تیر کا اپنی جگہ واپس آنا محال ہے اسی طرح ان کا دین میں واپس آنا محال ہے) وہ تمام مخلوق سے برے ہیں جو شخص اُن کو قتل کرے یا وہ اسے قتل کریں اُسے مژدہ ہو، وہ کتاب اللہ کی طرف بلائیں گے مگر اُس سے اُن کو کچھ تعلق نہ ہوگا، جو اُن کو قتل کرے گا وہ اُن سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولیٰ ہوگا، اُن کی

علامت سر گھٹوانا ہے" اور فرماتے ہیں "آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی جس کی عمر کم اور عقل تھوڑی ہوگی باتیں نہایت عمدہ کریں گے قرآن پڑھیں گے مگر وہ اُن کے گلوں سے تجاوز نہ کرے گا دین میں سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر کمان میں سے وہ تمام خلق سے برے ہیں" اور فرمایا "کفر کی جز مشرق کی طرف ہے اور فخر و تکبر گھوڑوں اور اونٹوں والوں میں" اور فرمایا "سخت دلی اور جفا مشرق میں ہے اور ایمان اہل حجاز میں" اور فرمایا "اے اللہ ہمارے شام و یمن میں ہم کو برکت دے" صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور نجد میں؟ فرمایا "اے اللہ ہم کو شام میں برکت دے اے اللہ ہمارے یمن میں برکت دے"۔ تیسری مرتبہ فرمایا "وہاں (نجد میں) زلزلے اور فتنے ہیں اور وہیں قرن شیطان نکلے گا" اور فرمایا "مشرق سے کچھ لوگ نکلیں گے جو قرآن پڑھیں گے مگر وہ اُن کے گلوں سے تجاوز نہ کرے گا جب ایک قرن ختم ہو جائے گا تو دوسرا قرن آجائے گا یہاں تک کہ اُن میں سے آخر مسیح دجال کے ساتھ ہوگا"۔ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں کہ "اُن کی علامت سر گھٹانا ہے" ابن عبدالوہاب کے متبعین کی تصریح ہے جو مشرق سے نکلے اور اپنے متبع کو سر منڈانے کا حکم دیتے تھے۔ جب تک سر نہ منڈا لیتا جگہ سے ہٹنے نہ دیتے اور ایسا کوئی گمراہ فرقہ ان سے پہلے نہ ہوا تو حدیث ان کے بارے میں صریح ہے۔ سید عبدالرحمٰن الاہدل مفتی زبید (یمن) فرمایا کرتے تھے کہ ابن عبدالوہاب کے رد میں کسی کو کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اُس کے رد میں آنحضرت ﷺ کا یہی قول کافی ہے اور ابن عبدالوہاب اُن عورتوں کو بھی جو اس کا اتباع کرتی تھیں سر منڈانے کا حکم دیتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک عورت اُس کے دین میں مجبوراً داخل ہوئی اور اس نے اُس کے سر مونڈنے کا حکم دیا تو اُس نے کہا کہ تو مردوں کے سر مونڈنے کا حکم دیتا ہے اگر داڑھی مونڈنے کا حکم دیتا تو عورتوں کے سر مونڈنے کا حکم ٹھیک تھا۔ اس لیے کہ عورت کے لیے سر کے بال مردوں کے لیے داڑھی کی طرح ہیں۔ اُس وقت وہ خارجی مبہوت ہو گیا اور اُسے کچھ جواب نہ دے سکا لیکن وہ تو ایسا اس لیے کرتا تھا کہ اُس پر اور اُس کے متبعین پر آنحضرت ﷺ کا ارشاد صادق ہو اور مشرق کی طرف جو اشارہ کر کے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس جگہ سے قرن شیطان ظاہر ہوگا اس کی ایک روایت میں ہے کہ دو قرن شیطان نکلیں گے بعض علما نے فرمایا کہ ان دونوں سے مراد مسیلمہ کذاب اور ابن عبدالوہاب ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہاں یعنی نجد میں

ہلاکت ہے اور بعض تواریخ کی کتب میں قتال بنی حنیفہ کے ذکر کے بعد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "آخر زمانہ میں مسیلمہ کے شہر میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو دین اسلام کو متغیر کر دے گا"۔ بعض احادیث میں جن میں فتنوں کا ذکر ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد آیا ہے کہ "اُن میں سے ایک ایسا فتنہ عظیم میری امت میں ہوگا کہ عرب کا کوئی گھر ایسا باقی نہ رہے گا جس میں وہ پہنچ نہ جائے اُس کے مقتول دوزخ میں جائیں گے اور زبان اس کی تلوار سے زیادہ سخت ہوگی"۔ ایک روایت میں ہے "ایک ایسا فتنہ ہوگا جس سے لوگ اندھے ہو جائیں گے کوئی راستہ نہ پائیں گے اور حق کے کہنے سننے سے گونگے بہرے ہو جائیں گے، جو شخص اُس کے لیے ظاہر ہوگا وہ اس کے لیے ظاہر ہوگا" اور ایک روایت میں ہے کہ "نجد سے ایک شیطان ظاہر ہوگا جس کے فتنہ سے جزیرہ عرب میں زلزلہ آجائے گا"۔

علامہ سید علوی بن احمد بن حسن بن القطب السید عبداللہ الحداد باعلوی نے اپنی کتاب "جلاء الظلام فی الرد علی النجدی الذی اضل العوام" میں جو ابن عبدالوہاب کے رد میں بہت بڑی کتاب ہے بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔ ان میں ایک وہ حدیث ہے جو حضرت عباس بن عبدالمطلب عم نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "بارھویں صدی میں وادی بنی حنیفہ میں ایک شخص بیل کی ہیئت پر ظاہر ہوگا جو ہمیشہ اپنے باچھوں کو چاٹتا رہے اُس کے زمانہ میں ہرج مرج بہت ہوگا لوگ مسلمانوں کے مال حلال سمجھ لیں گے اُن سے تجارت کریں گے اور مسلمانوں کی جانیں حلال سمجھ لیں گے ان کو فخر جانیں گے وہ ایسا فتنہ ہے جس میں ذلیل و کمین لوگ عزت دار ہو جائیں گے، خواہشات میں ایسے پڑ جائیں گے جیسے کتا درد میں" اور اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں جو اس کے معنی کی تقویت کرتے ہیں، اگرچہ اس کا تخریج کرنے والا معلوم نہیں۔ پھر سید مذکور اسی کتاب میں فرماتے ہیں کہ "اس سے زیادہ صریح یہ ہے کہ یہ مغرور محمد بن عبدالوہاب قبیلہ تمیم میں سے ہے تو احتمال ہے کہ وہ ذوی الخویصرہ تمیمی کی نسل سے ہو جس کے متعلق بخاری میں حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "اس کی نسل سے کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے گلوں سے تجاوز نہ کرے گا دین میں سے یوں نکل جائیں گے جیسے کمان میں سے تیر، اہل اسلام کو قتل

کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے اگر میں اُن کو پاؤں تو قوم عاد کی طرح قتل کر ڈالوں"۔ چنانچہ یہ خارجی اہل اسلام کو قتل کرتا اور بت پرستوں کو چھوڑ دیتا تھا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کو قتل کیا تو ایک شخص نے کہا شکر ہے خدا کا جس نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم کو راحت دی۔ آپ نے فرمایا "نہیں، قسم اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ان میں سے ابھی مردوں کی پشت میں ہیں، حمل میں بھی نہیں آئے اور ان میں کا آخری شخص مسیح دجال کے ہمراہ ہوگا"۔ ایک حدیث میں ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جس میں بنی حنیفہ قوم مسیلمہ کذاب کا ذکر آیا ہے کہ اُن کی وادی آخر دہر تک ہمیشہ وادیٔ فتن رہے گی۔ ایک روایت میں ہے یمام (قبیلہ کا نام) کے لیے ہلاکت ہے ہلاکت جو جدا نہیں ہو سکتی۔ ایک حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ "آخر زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو تم کو ایسی باتیں سنائیں گے جو تم نے سنی ہیں اور نہ تمہارے آبا نے پس تم اپنے آپ کو اُن سے اور اُن کو اپنے آپ سے بچائے رہو کہ وہ تم کو گمراہی وفتنہ میں نہ ڈال دیں اور بنی تمیم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لایعقلون

تحقیق جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں وہ اکثر بے وقوف ہیں

اور ارشاد فرماتا ہے:

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو)

سید علوی مذکور فرماتے ہیں کہ بنی حنیفہ و بنی تمیم و وائل کی مذمت میں بہت کچھ وارد ہے، تمہارے لیے یہی بات کافی ہے کہ اکثر خوارج انہی میں سے ہیں اور سرکش ابن عبدالوہاب بھی انہی میں سے ہے اور فرقہ باغیہ کا سردار عبدالعزیز بن محمد بن سعود بن وائل انھیں میں سے ہے۔ آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ میں ابتدائے رسالت میں اپنے آپ کو قبائل کے سامنے ہر موسم میں پیش کرتا تھا مگر بنی حنیفہ سے زیادہ قبیح وخبیث جواب مجھ کو کسی نے نہیں دیا۔ سید صاحب موصوف فرماتے ہیں جب میں حرامت حضرت عبداللہ ابن عباس کی زیارت کے لیے طائف پہنچا تو علامہ شیخ طاہر سنبل حنفی ابن علامہ شیخ محمد سنبل شافعی سے ملاقات ہوئی، اُنھوں نے مجھ سے

فرمایا کہ "میں نے اس طائفہ کے رد میں ایک کتاب "**الانتصار للاولیاء الابرار**" تالیف کی ہے امید ہے کہ جس شخص کے قلب میں بدعت نجدی داخل نہیں ہوئی اُس کو اللہ تعالیٰ اس سے نفع دے اور جس کے قلب میں بدعت داخل ہو چکی ہے اُس کی فلاح کی امید نہیں کیونکہ بخاری کی حدیث ہے کہ وہ دین سے علیحدہ ہو جائیں گے پھر رجوع نہ کریں گے اور بعض علما سے جو منقول ہے کہ اُنھوں نے نجدی کے افعال میں سے بدؤں کو نماز پڑھنے، فواحش ظاہرہ وقطع طریق کے ترک پر متفق کرنے، توحید کی دعوت دینے کو پسند کیا ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ انھوں نے اس کے فعل کو لوگوں پر اچھا ظاہر کیا اور اس پر اطلاع نہ پائی جو ہم نے اُس کی خرابیاں بیان کیں کہ چھ سو برس تک کے لوگوں کو کافر کہہ دیا۔ بہت سی کتابوں کو جلا دیا، بہت سے علما اور خواص وعوام کو قتل کر دیا اُن کے جان و مال کو حلال سمجھ لیا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ظاہر کیا اس کے لیے درس مقرر کر دیئے۔ نبی ﷺ و دیگر انبیا و مرسلین اور اولیا کی تنقیص کی۔ اُن کی قبریں کھود ڈالیں، احسا میں حکم دے دیا کہ بعض قبور اولیا قضائے حاجت کا مقام بنالی جائیں۔ لوگوں کو دلائل الخیرات اور درود و وظائف اور مولد نبی ﷺ اور مناروں میں بعد اذان درود پڑھنے سے منع کر دیا جس نے ایسا کیا اُسے قتل کر ڈالا، نماز کے بعد دعا سے منع کر دیا، زکوٰۃ اپنی خواہش کے مطابق تقسیم کرتا تھا، یہ اعتقاد کرتا تھا کہ اسلام مجھ میں اور میرے متبعین میں منحصر ہے اور تمام خلق مشرک ہے۔ اپنے مجالس اور خطبوں میں انبیا و ملائکہ اور اولیا سے توسل کرنے والے کو صاف طور پر کافر کہتا تھا اور گمان کرتا تھا کہ جو کسی کو مولانا یا سیدنا کہے وہ کافر ہے۔ ارشاد الٰہی کی طرف التفات نہ کرتا تھا جو سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے وسَیِّدًا اور نہ ارشاد نبی ﷺ کی طرف کہ آپ نے انصار سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا **قوموا السیدکم**۔ نبی ﷺ کی زیارت سے منع کرتا تھا۔ آپ کو دوسرے مردوں کی طرح ٹھہراتا تھا۔ علم نحو ولغت وفقہ کا انکار کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ بدعت ہے۔

پھر سید صاحب موصوف اپنے اُسی کتاب میں فرماتے ہیں حاصل یہ ہے کہ ہم کو اُس کے وہ اقوال وافعال محقق ہوئے ہیں جو قواعد اسلامیہ سے اُس کا خروج واجب کرتے ہیں کیونکہ اُس نے بغیر کسی جائز تاویل کے مالوں کو حلال کر دیا تھا، جن کی حرمت پر اجماع ہے۔ اس کے علاوہ انبیا و مرسلین اور اولیا وصالحین کی تنقیص کی اور ان کی تنقیص قصداً باجماع ائمہ اربعہ کفر ہے۔ یہ پہلے ذکر

ہو چکا ہے کہ اُس کی عمر بانوے برس کی ہوئی۔ سنہ ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۲۰۶ھ میں انتقال ہوا۔ کسی نے اُس کے مرنے کی تاریخ یوں لکھی ہے بدا ھلاک الخبیث۔ اُس نے کئی لڑکے عبداللہ، حسن، حسین، علی چھوڑے جن کو اولادِ شیخ کہا جاتا تھا۔ اُنھوں نے اُس کے بعد دعوت کو انجام دیا۔ سب میں بڑا عبداللہ تھا اُس نے عبدالرحمٰن وسلیمان کو چھوڑا۔ سلیمان اپنے باپ سے زیادہ متعصب تھا اُس کو سنہ ۱۲۳۳ھ میں ابراہیم پاشا نے قتل کر ڈالا اور عبدالرحمٰن کو پکڑ کر مصر بھیج دیا وہ کچھ مدت تک زندہ رہا، پھر وہیں مر گیا۔ اور حسن نے عبدالرحمٰن کو چھوڑا۔ ان کی حکومت مکہ کے زمانہ میں وہ مکہ کا قاضی ہو گیا تھا۔ عبدالرحمٰن بہت زمانہ تک زندہ رہا۔ سو برس کے قریب ہو کر مرا اور عبداللطیف کو چھوڑا اور حسین نے بہت سی اولاد چھوڑی جن کی نسل درعیہ میں اب تک باقی ہے اور اولادِ شیخ کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اُن کو حق کی ہدایت فرمائے۔

لطیفہ

ایک مردِ صالح شہر زبید کے علما میں سے جن کا نام شیخ عبدالجبار تھا اُس شہر کی مسجد میں امام تھے۔ اتفاقاً اُس زمانہ میں کہ ابراہیم پاشا نے آ کر درعیہ کو اور اس کے رہنے والوں کو برباد کر دیا تھا دو شخصوں نے اس طائفہ کے بارے میں جھگڑا کیا، ایک نے تو کہا کہ ضرور یہ دین علی حالہ ہو جائے گا اور یہ دولت اپنی حالت پر لوٹ آئے گی۔ دوسرے نے کہا اب کبھی ان کی یہ حالت نہ ہوگی۔ پھر انھوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کل چل کر نمازِ صبح شیخ عبدالجبار کے پیچھے پڑھیں گے اور دیکھیں گے کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد کیا پڑھتے ہیں؟ اور اس کو فال بنائیں گے، جس سے اختلاف کا فیصلہ ہو جائے گا چنانچہ اُنھوں نے جا کر اُن کے پیچھے نماز پڑھی تو شیخ نے فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں یہ پڑھا وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ. (جس گاؤں کو ہم نے ہلاک کر دیا اُس پر حرام ہے کہ وہ لوٹیں) پس اُنھوں نے اس سے تعجب کیا اور اس فال کو فیصلہ مان لیا واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَسُوْلِ خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

☆☆☆


طلاق ثلاثہ


احادیث قدسیہ


عقائد اہل سنت
مکتبہ برکات المدینہ
اہلسنت کا منفرد اشاعتی ادارہ